29

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

28 جولائی 2004ء — 10 جمادی الثانی 1425ھ

www.tanzeem.org

بڑا کام

یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری اور آپ کی اور ہم جیسے سینکڑوں آدمیوں کی پوری پوری زندگیاں بھی اس کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ امید کریں کہ ہماری زندگی میں اس کے پورے نتائج سامنے آجائیں گے تو یہ غلط اُمید ہوگی۔ یہ کھجور کا درخت لگانا ہے، جو اس کو بوتا ہے وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا، ہم اس درخت کو لگائیں گے اور اپنے خونِ جگر سے اس کو سینچ کر چلے جائیں گے۔ ہمارے بعد دوسری نسل آئے گی اور شاید وہ بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح لذت آشنا نہ ہو سکے گی۔ کم از کم دو تین پُشتیں اس کے پورے نتائج ظاہر کرنے کے لئے درکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں نتائج کے لئے بے صبر نہ ہونا چاہئے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک، جیسا کہ ہم بنا سکتے ہیں، بنا دیں اور اس کی بنیادیں اٹھا کر نئی آنے والی نسل کو تعمیری کام جاری رکھنے کے لئے تیار کر دیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔

[غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے حوالے سے مولانا صاحب کی اپریل 1938ء کی ایک تحریر سے اقتباس]

ماخذ: ہفت روزہ ایشیا

تحریر: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اس شمارے میں

کارگل کمیشن کا مطالبہ

بندہ مومن کے مطلوبہ اوصاف

اسلام اور سیکولرازم (3)

تیار چھتوں کے مُوجد (2)

ندامت کے آنسو

الٰہی! کائنات آج کیوں اداس ہے

انسانی زندگی پر حلال اور حرام کے اثرات

پڑھتا جا، شرماتا جا

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیات 68 تا 72)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ٥ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ٥ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ٥ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ٥﴾

''ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزمان) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں' اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔ (اے اہل اسلام) بعضے اہلِ کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کردیں۔ مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کریں گے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کررہے ہیں اور نہیں جانتے۔ اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو اور تم (تورات کو) مانتے تو ہو۔ اے اہلِ کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور تم جانتے بھی ہو۔ اور اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اُس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور اس کے آخر میں انکار کردیا کرو تاکہ وہ (اسلام سے) برگشتہ ہوجائیں۔''

یقیناً ابراہیم علیہ السلام سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کون ہیں؟ یہ نبی محمد ﷺ ہیں اور جو ان پر ایمان لائے' اور اللہ تو ان مومنوں کا ساتھی' مددگار اور پشت پناہ ہے۔ اور اے مسلمانو! اہلِ کتاب کا ایک گروہ تو اس بات کا آرزومند ہے کہ کسی طریقے سے تمہیں گمراہ کردے' مگر وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوں گے' البتہ اپنے آپ کو گمراہ کردیں گے اور انہیں اس بات کا شعور نہیں۔

اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم پہچان چکے ہو اور دل سے جان چکے ہو؟ اے اہل کتاب! تم حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھا کر حق کو کیوں چھپاتے ہو؟ تمہیں صحیح بات کا علم تو ہے۔

اب یہاں کفار کی ایک بڑی سازش کا ذکر آرہا ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر جو ایمان لے آتا تھا' وہ بس اسلام ہی کا ہوجاتا تھا' اسے ماریں' پیٹیں' بھوکا رکھیں غرض جیسے چاہیں Torture کریں' وہ کبھی بھی اسلام کا دامن نہ چھوڑتا تھا۔ اس چیز کو دیکھ کر لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام کے اندر کوئی ایسی کشش' مٹھاس اور حقانیت ضرور ہے کہ جو اسلام قبول کرتا ہے وہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ اور یہ بات سب کو نظر آرہی تھی۔ لوگوں کے دلوں سے یہ بات نکالنے کی خاطر یہود نے یہ ترکیب سوچی کہ اُن کے بعض لوگ صبح کو ایمان لائیں' سارا دن رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں اور شام کو یہ کہہ کر اسلام کو چھوڑ دیں کہ ہم نے دیکھ لیا' اسلام میں کچھ بھی نہیں ہے' بس دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ ہم تو واپس اپنے ہی طریقے میں لوٹ رہے ہیں۔ یہود کا خیال تھا کہ اس طریقے سے وہ اسلام قبول کرنے والوں اور اسلام کی طرف میلان رکھنے والوں کو اسلام سے بدظن کردیں گے۔ کچھ لوگ تو اُن کی سازش کو سمجھ لیں گے' مگر اکثر یہی گمان کریں گے کہ بڑے اعلان اور چاہت کے ساتھ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا' سارا دن نبی ﷺ کی صحبت میں گزارا' آخر وہاں کچھ نہ کچھ دیکھا ہی ہوگا' جو واپس آگئے۔ ضرور کوئی بات ہے۔ عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنا آسان سا کام ہے۔ یہی وہ سازش ہے جس کے نتیجہ میں مرتد کی سزا قتل تجویز کی گئی' تاکہ اسلامی ریاست میں کوئی شخص ایسی سازش نہ کرسکے۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (idelogical) ریاست ہے۔ ایمان اور اسلام تو اس کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اس idelogy کی جڑ اور بنیاد کھودنے والی چیزوں کا سدِ باب تو پوری قوت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جب یہود نے صبح اسلام لاکر شام کو پھر کفر میں واپس آجانے کی سازش کی تو مقصد یہ تھا کہ جو دوسرے لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں وہ بھی اُن کی دیکھا دیکھی اسلام چھوڑ کر واپس کفر میں آجائیں گے۔

چوہدری رحمت اللہ بٹر

فرمانِ نبویؐ

کسی غریب کو حقیر نہ جانو

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ)) (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چکٹ اور پراگندہ بال غریب' جسے دروازوں پر سے دھکیل دیا جاتا ہے اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کردیتا ہے۔''

تشریح: اس سے مراد وہ غریب ہیں جو مال ومتاع سے محروم ہونے کی وجہ سے پریشان حال ہوتے ہیں۔ ان کے سر کے بال میلے کچیلے اور بکھرے ہوئے ہوتے ہیں' اگر وہ بالفرض کسی کھاتے پیتے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوں تو ان کو دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ مالدار نہ ہونے کی وجہ سے پریشان حال تو ہوتے ہیں لیکن پریشان خاطر نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑے وقیع اور صالح ہوتے ہیں' اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کسی کام کے ہونے کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھنے کے لئے ان کی بات پوری کردیتا ہے۔

اداریہ

کارگل کمیشن کا مطالبہ

پاکستان مسلم لیگ (نواز گروپ) کے قائد اور سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے مطالبہ کیا ہے کہ 1999ء میں کارگل میں ہونے والی ناکام عسکری مہم جوئی پر قومی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے۔ اس سے پہلے اخبارات میں امریکی سنٹرل کمانڈ کے سابق سربراہ جنرل انتھونی زینی نے اپنی تازہ چھپنے والی کتاب ’’بیٹل ریڈی‘‘ (Battle Ready) میں واقعۂ کارگل کے حوالے سے بعض اہم انکشافات سے اگلے روز صدر بل کلنٹن کی کتاب ’’مائی لائف‘‘ کا انکشاف بھی شائع ہوا۔ امریکا کی اس وقت کی سیاسی اور فوجی قیادت کی جانب سے آنے والے انکشافات ہی کی بنا پر میاں نواز شریف کو اپنا پرانا مطالبہ دہرانے کی ضرورت پیش آئی کہ اس مسئلے پر کارگل کمیشن قائم کیا جائے‘ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کیا جا سکے۔ میاں صاحب کے مطالبے کے حق میں پاکستان مسلم لیگ (ن)‘ متحدہ مجلس عمل‘ عوامی نیشنل پارٹی اور حزب اختلاف کی دوسری جماعتوں نے آواز اٹھائی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ترجمان راجہ محمد ظفر الحق نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر حکومت فوری عدالتی کمیشن کے قیام میں لیت ولعل سے کام لے تو سیاسی جماعتوں کو مل کر غیر جانب دار ججوں اور شخصیات پر مشتمل کمیشن قائم کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس کے برعکس وزیر اعظم چودھری شجاعت حسین نے کہا ہے کہ کارگل کے معاملے پر کوئی عدالتی کمیشن بنانے کی ضرورت نہیں‘ کیونکہ موجودہ حالات میں کوئی کمیشن بنا کر پنڈورا بکس کھولنا قومی مفاد میں نہیں۔ انہوں نے کہا: ’’میں حلفاً کہتا ہوں‘ نواز شریف کو کارگل آپریشن کا علم تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو چھ دن بریفنگ دی تھی۔ پہلے میری اس حلفیہ گواہی کو جھٹلایا جائے۔ اگر نواز شریف کو کارگل آپریشن کا علم تھا تو اب عدالتی کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ بے معنی اور بے مقصد ہے‘‘۔

کسی اہم قومی معاملے میں جب بھی کوئی حکومت یا ریاستی ادارہ فیصلہ ساز کردار ادا کرتا ہے اور اس فیصلے کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے یا وہ فیصلہ قوم کے لئے فائدہ مند ہونے کی بجائے کسی نقصان‘ رسوائی یا جگ ہنسائی کا باعث بن جاتا ہے تو موثر تحقیقات کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ تحقیقات کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا اندازہ کیا جائے۔ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ فیصلہ ہی ناقص تھا‘ پالیسی غلط تھی یا حکمتِ عملی میں کمزوری تھی؟ حقیقی حالات وواقعات کے غلط تجزیے کی ذمہ داری کس فرد یا افراد یا ادارے پر عائد ہوتی ہے؟ کس نے اپنی حدود اور اختیارات سے تجاوز کیا ہے؟ کس نے مخصوص مقاصد کے تحت شواہد کو مسخ کیا؟ کون سے اقدام سے گریز کیا جاتا اور کون سی تدابیر اختیار کی جاتیں تو سانحے کے نقصانات سے بچا جا سکتا تھا؟ عدالتی انکوائری یا کمیشن کا مقصد فیصلہ ساز فرد یا ادارے سے انتقام لینا نہیں ہوتا۔ یہ ایک سنجیدہ قومی مشق ہوتی ہے‘ تاکہ ماضی کے کسی ناخوشگوار واقعے کی روشنی میں اپنے مستقبل کو زیادہ محفوظ اور بہتر بنایا جا سکے۔

دنیا کی سب سے بڑی عسکری اور اقتصادی قوت امریکا میں آج بھی نائن الیون‘ افغانستان‘ عراق‘ خفیہ ایجنسیوں کے کردار اور متعلقہ موضوعات پر متعدد انکوائری کمیٹیاں اور کمیشن بیک وقت کام کر رہے ہیں‘ اور اُن کی رپورٹیں برسر اقتدار جماعت اور صدر بش کے لئے شدید مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ اسی ہفتے کے دوران میں امریکی سینٹ کی تشکیل کردہ خصوصی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں صدر بش کی حکومت پر الزام لگایا گیا ہے کہ عراق پر حملے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس رپورٹ کے چند روز بعد برطانیہ میں بٹلر کمیٹی کی رپورٹ سامنے آئی ہے۔ اس میں بھی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کے خلاف یہی الزام لگایا گیا ہے۔ اس وقت موجودہ امریکی حکومت عرصۂ جنگ میں ہے‘ لیکن وہاں کسی ’’خاص حالات‘‘ کی آڑ لے کر ان تحقیقات کا راستہ نہیں روکا جا رہا۔ صدر بش کو ایک مشکل انتخابی معرکہ درپیش ہے جس میں صرف چار ماہ باقی رہ گئے ہیں‘ لیکن کسی طرف سے یہ آواز نہیں اٹھ رہی ہے کہ ان تحقیقات کا دفتر لپیٹ دیا جائے۔ وہاں کی پارلیمنٹ اپنا آئینی کردار برابر ادا کر رہی ہے۔

پاکستان کا معاملہ عجیب ہے۔ اول تو یہاں انکوائری کمیٹیاں اور کمیشن بٹھانے کا رواج نہیں۔ ہر سانحے کو ہمیشہ کے لئے خود فراموشی کی قبر میں سلا دیا جاتا ہے۔ اور اگر قوم کے مطالبے پر یا بین الاقوامی ضرورتوں کے تحت کمیشن قائم بھی کیا جاتا ہے‘ تو اُس کی رپورٹوں کو مسخ کر دیا جاتا ہے یا سامنے نہیں لایا جاتا۔ پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت کی انکوائری رپورٹ‘ سقوطِ ڈھاکہ پر جسٹس حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ‘ اوجڑی کیمپ سے متعلق تحقیقاتی رپورٹ کا یہی حشر ہوا۔ کارگل کا واقعہ بھی ہماری زندگی کا بہت بڑا سانحہ ہے‘ جس نے ایک مہذب‘ ذمہ دار اور بالغ نظر پاکستان کے تصور پر کاری ضرب لگائی تھی۔ وزیر اعظم نے کہا‘ یہ فوجی کارروائی سیاسی قیادت سے پوشیدہ رکھی گئی۔ آرمی چیف نے کہا سیاسی قیادت کو اعتماد میں لے کر فوجی کارروائی کی گئی تھی۔ سیاست اور فوج کے اس تصادم وتضاد نے ہمیں آج تک بین الاقوامی رسوائی سے دوچار کر رکھا ہے۔ بھارت نے سیاسی وفوجی سطح پر الگ الگ تحقیقات کا اہتمام کیا‘ جن کی رپورٹ کی بنا ہی پر لائن آف کنٹرول پر انہوں نے آہنی باڑ تعمیر کی ہے۔ ہمارے ہاں اب جنرل زینی اور صدر کلنٹن کے انکشافات کے بعد بالخصوص عدالتی کمیشن قائم کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ بدنصیب قوم کو بھی معلوم ہو سکے کہ اس فوجی مہم جوئی کے اصل محرکات کیا تھے؟ اس کے کیا عسکری فوائد حاصل ہوئے؟ کیا سیاسی وسفارتی نتائج برآمد ہوئے؟ لیکن ایسا کمیشن بٹھانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا‘ جس کی رپورٹ تک شائع نہ ہونے دی جائے۔ کارگل کے معاملے پر عدالتی کمیشن ضرور بالضرور قائم کیا جائے‘ اور اُسے جلد از جلد اپنی تحقیقاتی رپورٹ مرتب کرنے کے لئے کہا جائے‘ اور کمیشن کی رپورٹ لفظ بہ لفظ شائع بھی کی جائے۔ ایک بامقصد کمیشن کے قیام کی غیر جانب دارانہ تحقیقات اور ان کی اشاعت پر ہی موثر ومثبت فوائد ونتائج برآمد ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ ہم بااثر‘ بااختیار‘ بامقصد عدالتی کمیشن کے مطالبے کی پُرزور تائید کرتے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا‘ دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

شمارہ	22 تا 28 جولائی 2004ء	جلد
29	4 تا 10 جمادی الثانی 1425ھ	13

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبد الخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد‘ طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس‘ ریلوے روڈ‘ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو‘ علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان
یورپ‘ ایشیا‘ افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆☆☆

’’ادارہ‘‘ کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

برصغیر پاک و ہند کی دیوارِ برلن

مقامی اور بین الاقوامی میڈیا میں اسرائیل کی تعمیر کردہ دیوار کے خلاف تو بڑا شور مچا ہے مگر اس باڑ پر کم ہی لکھا جا رہا ہے جو کشمیریوں کو تقسیم کر رہی ہے۔ بھارت ''لائن آف کنٹرول'' پر ایک ہزار کلومیٹر لمبی باڑ لگا رہا ہے جس میں نقل و حرکت نوٹ کرنے کے لئے اسرائیلی ساختہ حساس آلات نصب ہیں۔ یہ باڑ تاروں کے دو سلسلوں پر مشتمل ہے اور اس کے اردگرد بارودی سرنگیں بھی بچھائی گئی ہیں۔ اسرائیلی دیوار کی طرح اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ مجاہدین سرحد پار کر کے مقبوضہ کشمیر میں نہ آ سکیں۔ واقعۂ کارگل کے بعد باڑ لگانے کا کام 1999ء میں شروع ہوا' تاہم پاک فوج کی گولہ باری کے بعد کام روکنا پڑا۔ پچھلے برس نومبر میں جب پاک بھارت تعلقات معمول پر آئے' تو باڑ پھر لگائی جانے لگی۔ غیر جانبدار ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت نے بھارتیوں کو اس کے لگانے کی اجازت دے دی ہے۔ گو حکومتِ پاکستان اس الزام کو تسلیم نہیں کرتی۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اگر باڑ مکمل ہو گئی تو ہو سکتا ہے کہ کشمیر کا دو تہائی حصہ جو اب بھی بھارت کے ناجائز قبضہ میں ہے' ہمیشہ کے لئے بھارت کے قبضے میں چلا جائے۔

افغان وزیر خارجہ کی عجیب منطق

افغانی وزیر خارجہ عبد اللہ عبد اللہ نے حالیہ دورۂ پاکستان کے دوران پاکستانی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ''دہشت گردی'' کو ختم کرنے کے سلسلہ میں مزید اقدامات کرے۔ سب پر عیاں ہے کہ حکومت پاکستان سرتاپا دہشت گردی کے خلاف مصروف جنگ ہے' اس کے باوجود افغانی وزیر خارجہ کی بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارے اکثر فوجی جوان صوبہ سرحد میں ان لوگوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جا رہے ہیں جو غیر ملکی ہیں۔ کیا ہم نے لاکھوں افغان مہاجرین کی دیکھ بھال نہیں کی؟ پھر افغان حکومت پاکستان سے کیا چاہتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان عالمی دہشت گردی کا نشانہ ہے۔ پھر افغانستان میں کون سا امن ہے؟ افغانی حکومت کو چاہئے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے اپنے نئے بہترین دوست امریکا سے مدد طلب کرے۔ ہم پر الزام تراشی کا کوئی فائدہ نہیں۔

کیا ترکی یورپی یونین کا حصہ بن سکے گا؟

ترکی چار برس سے یورپی یونین میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہے جو آج امریکہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا تجارتی' معاشی اور فوجی بلاک ہے۔ جب یونین یورپین اکنامک کمیونٹی کے نام سے مشہور تھی' تب ترکی نے 1959ء میں اس میں شمولیت کی درخواست دی تھی۔ 1995ء میں اس نے بلاک کے ساتھ کسٹمز معاہدہ کیا اور 1999ء میں رکنیت حاصل کرنے کا امیدوار بن گیا۔ یاد رہے کہ ترکی یونین کے ساتھ کسٹمز معاہدہ کرنے والا واحد ملک ہے۔

اب دسمبر 2004ء میں جب ڈنمارک یورپی یونین کا صدر ہو گا' یونین نے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ترکی کو شامل کیا جائے اور کیا وہ انسانی حقوق اور جمہوریت کے ''یونینی معیار'' پر پورا اترا ہے؟ اگر فیصلہ مثبت ہوا تو سات کروڑ آبادی والا ترکی یونین کا حصہ بن جائے گا۔ تب اسے اس میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہو گا' کیونکہ یونین کے نئے ووٹنگ سسٹم کے تحت کثیر آبادی والی مملکت کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گی۔ ترکی نے ''یونینی معیار'' پر پورا اترنے کے لئے پچھلے کئی برس میں آئینی تبدیلیوں کے ذریعے بیسیوں اقدامات کئے ہیں مثلاً قومی سیکورٹی عدالت کا قیام' سزائے موت کا خاتمہ' اعلیٰ تعلیم کے اداروں سے فوجی افسروں کا ہٹانا اور ذرائع ابلاغ کو آزاد کرنا۔ حکومت نے آزادئ رائے سے بھی قدغنیں اٹھالی ہیں۔ سیاست میں فوج کا عمل دخل کچھ کم ہوا ہے اور ایک کروڑ سے زائد کردوں کو ثقافتی حقوق ملے ہیں۔ مزید براں ترک حکومت کے دباؤ ہی پر شمالی قبرص کے مسلم باشندوں نے اقوام متحدہ کے اس منصوبے کی حمایت کی جس کے تحت قبرص کے دونوں حصوں کا ادغام ہونا تھا۔ اس کے باوجود یورپی یونین کے کئی رکن ممالک ترکی کو بلاک میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی معیشت کمزور ہے' نوکر شاہی نااہل ہے' وہاں رشوت کا دور دورہ ہے اور عوام انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ سب خرابیاں یا کمزوریاں مشرقی یورپ کے ان تمام ممالک میں بھی موجود ہیں جنہیں یکم مئی 2004ء کو یورپی یونین کا حصہ بنایا گیا ہے۔

ترکی کو برطانوی وزیر اعظم اور امریکی صدر کی حمایت حاصل ہے۔ اٹلی اور ڈنمارک بھی ترکی کو بلاک کا حصہ دار بنانا چاہتے ہیں مگر فرانسیسی اور جرمن صدور اس کے خلاف ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ترکی جیسے بڑے ملک کی شمولیت سے چھوٹے ممالک کے حقوق خطرے میں پڑ جائیں گے جبکہ آسٹروی حکومت کا کہنا ہے کہ ترکی کے شامل ہونے سے یورپی یونین عیسائی بلاک نہیں رہے گا۔ ترک شمولیت کے حامی ''عیسائی بلاک'' کی دلیل کو کمزور اور بودا قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یورپ میں دو کروڑ مسلمان آباد ہیں' بلکہ وہ براعظم کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ مزید برآں یونین کے پچیس رکن ممالک میں ان لوگوں کی تعداد صرف 30 فیصد ہے جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ پھر وہاں لاکھوں لوگ بھی آباد ہیں جو یہودیت' بدھ مت' ہندومت وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آج یورپ مذاہب اور سیاسی نظریات کی ''سپر مارکیٹ'' ہے۔

ترکی کے لئے بری خبر یہ ہے کہ حال ہی میں یورپی یونین کی پارلیمنٹ کی 732 نشستوں کے لئے انتخاب ہوئے اور ان میں سے بیشتر ان رہنماؤں نے جیت لی ہیں جو ترکی کے مخالف ہیں۔ ظاہر ہے جب دسمبر میں ان کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو گا کہ ترکی کو یونین کا رکن بنایا جائے یا نہیں' تو وہ اس کی مخالفت کریں گے۔

کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ بنیادی وجہ یہ نہیں کہ ترکی اسلامی ملک ہے' اس لئے اسے بلاک میں شامل نہیں کیا جا رہا بلکہ اصل معاملہ ''طاقت کا حصہ'' (Power Sharing) ہے۔ اگر ترکی بلاک کا رکن بن گیا تو اپنی آبادی کے لحاظ سے اس کے ووٹ جرمنی کے برابر ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ یورپی معاملات میں ترک عمل دخل بہت بڑھ جائے گا۔ اس لئے یورپی ممالک ترکی کو بلاک سے دور رکھنے کے لئے مذہب کا سہارا لے رہے ہیں۔

ہم ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کر کے رہیں گے

صف اوّل کے ایرانی عالم اور سپریم کونسل کے سربراہ آیت اللہ احمد جنتی نے اعلان کیا ہے کہ ایران ہر قیمت پر ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کر کے رہے گا۔ آج کے دور میں ایٹمی ٹیکنالوجی کی بڑی اہمیت ہے اور ایرانی سائنس دان اور ایرانی عوام اپنے اس مقصد سے ہرگز دستبردار نہیں ہوں گے۔ یاد رہے کہ امریکی دباؤ میں آ کر اقوام متحدہ ایران پر زور دے رہا ہے کہ وہ اپنا ایٹمی منصوبہ بند کر دے مگر ایرانی حکومت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے نمائندے اسرائیل بھی گئے تا کہ وہ اپنے آپ کو ایٹمی طاقت کی حیثیت سے تسلیم کر لے لیکن اسرائیلی حکومت نے انہیں ٹکا سا جواب دے کر واپس بھجوا دیا۔

منبر و محراب

بندۂ مؤمن کا اللہ کے ساتھ سودا اور مومنین کے مطلوبہ اوصاف

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان عبدالرزاق صاحب کے 9 / جولائی 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ...... بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے' یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (اللہ سے بیع کا معاملہ کرنے والے مومنین کی شان یہ ہے کہ) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے' اس کی بندگی بجا لانے والے' اس کی تعریف اور شکر بجا لانے والے' لذات دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے' اس کے آگے کثرت سے رکوع اور سجدے کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے' بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبیؐ) ان مومنین کو خوشخبری دے دیجئے۔''

سامعین محترم!

سورۂ توبہ کی ان دو آیات میں ایک مومن کی پوری زندگی کا لائحہ عمل پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ وہ کہیں تو اپنی بات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کہیں بڑے ہی اختصار اور جامعیت کے ساتھ اپنی پوری بات کا ایک خلاصہ نکال کر پیش کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے اور اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر مختلف اوقات میں حالات کی مناسبت سے نازل فرمایا ہے۔ اس میں چند مضامین ایسے ہیں جن کو مختلف پیراؤں میں اور مختلف اسالیب میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف مزاج اور انداز فکر بنائے ہیں' لہٰذا ذہنی مناسبت کے اعتبار سے کسی انسان کو ایک انداز اور کسی کو کوئی دوسرا انداز اپیل کر جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کہیں عقلی دلائل پیش کرتا ہے' کہیں مثالوں کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور کہیں سابقہ قوموں کے حالات و واقعات بیان کر کے عبرت پذیری کی دعوت دیتا ہے۔ سورۂ توبہ کی ان دو آیات میں ایک مومن کی زندگی کا نقشہ بیان کر دیا گیا ہے' جبکہ پورا قرآن مجید بھی اسی بات سے بحث کرتا ہے کہ ایک بندۂ مومن کو زندگی کیسے بسر کرنی چاہئے۔ اس کے لئے قرآن حکیم ہمیں اصولی راہنمائی عطا کرتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔

متذکرہ بالا دو آیات میں سے پہلی آیت ایک بندۂ مومن کا اس کے خالق کے ساتھ تعلق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے اور دوسری آیت میں اس کی زندگی کے شب و روز کا تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ وہ کیسے گزرنے چاہئیں اور زندگی میں اس کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں۔ ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔'' مومن کون ہیں؟ اس کی تعریف ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔ قرآن حکیم میں مؤمن اور مسلم کے الفاظ اگرچہ بعض جگہ مترادفات کے طور پر بھی بیان ہو جاتے ہیں لیکن ان کے مفہوم میں نمایاں فرق ہے جو سورۃ الحجرات کی آخری آیات میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں مومن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ

''درحقیقت مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولؐ پر' پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔''

چنانچہ مومن ہونے کے لئے دو شرطیں لازم ہیں۔ اولاً ایسا ایمان جس میں شکوک و شبہات موجود نہ ہوں' یعنی یقین قلبی والا حقیقی ایمان ____ اور ثانیاً اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد اور کوشش۔

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ انہوں نے اپنا مال اور اپنی جانیں اپنی مرضی سے اللہ کے حوالے کر دیئے ہیں' گویا اللہ کی ڈسپوزل پر دے دیئے ہیں لہٰذا اللہ نے اس کے عوض ان کے لئے جنت کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔

''وہ قتال کرتے ہیں اللہ کے راستے میں' اس میں وہ (اللہ کے دشمنوں کو) قتل بھی کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔'' یہ ''قتال'' جہاد فی سبیل اللہ کی آخری منزل ہے۔ جہاد کا آغاز نفس اور شیطان کے خلاف جہاد سے ہو جاتا ہے' پھر معاشرے میں موجود برائیوں کے تدارک کی کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ اس راہ میں اپنی توانائیاں اوقات اور مال لگانا بھی جہاد ہے' جبکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے میدان جنگ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دشمنوں سے پنجہ آزمائی جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل ہے۔

دنیا میں آج بہت سی جگہوں پر بہت سے لوگ جہاد میں مصروف ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی جہاد نسلی عصبیت کی

بنیاد پر ہو رہا ہے‘ کوئی وطن کی محبت کی بنیاد پر اور کوئی آزادی کی خاطر کیا جا رہا ہے‘ جبکہ ”جہاد فی سبیل اللہ“ میں اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے علاوہ کوئی اور چیز پیش نظر نہیں ہو سکتی۔

آگے فرمایا: ”یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی‘ انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی“۔ یعنی اگر تم اپنے مال اور اپنی جانیں اللہ کے حوالے کر دو گے تو وہ تمہیں نعمتوں بھری جنت عطا فرمائے گا‘ جس سے اعلیٰ کسی اور مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس پختہ وعدے کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں بھی کیا تھا اور اب قرآن حکیم میں بھی اس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے اس وعدے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس وعدے کی اس قدر تائید اور اس کی یاددہانی کے اس قدر اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کرتا رہتا ہے کہ تم یہاں اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہو‘ مشقتیں اٹھا رہے ہو‘ صعوبتیں برداشت کر رہے ہو‘ اپنی جان کا رسک لے رہے ہو‘ مگر تمہیں اس کے بدلے میں ملے گا کیا؟ جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ پتا نہیں کہیں ہے بھی یا نہیں! تو شیطان کی اس وسوسہ اندازی کے ازالے کے لئے یہ بات اس قدر مؤکد انداز میں کہی جا رہی ہے کہ یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے جو اس پوری کائنات کا مالک ہے۔

”اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“ ایک انسان کسی سے کوئی وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا کرنے میں کئی رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں‘ جبکہ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں‘ وہ تو لامحدود ہیں‘ لہٰذا اس کو اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آ سکتی۔

”پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کر لیا ہے۔“ اس لئے کہ اس سے زیادہ نفع بخش سودا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ جس کسی کو بھی یہ سودا کرنے کی توفیق مل گئی اسے اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہئے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ آیا واقعتاً اس نے اپنی زندگی کے کسی لمحے میں شعوری طور پر اپنے آپ کو اللہ کے حضور اس سودے کے لئے پیش کیا ہے! کیا اس نے تنہائی میں اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کا ایسا معاملہ کیا ہے کہ اے میرے رب! میں اپنے مال کو بھی اور اپنی جان کو بھی تیری ڈسپوزل پر دیتا ہوں‘ جہاں بھی تیرے دین کا کوئی تقاضا سامنے آئے گا جو کچھ میرے پاس ہے میں حتی المقدور نکال کر پیش کر دوں گا۔ ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کی مثالیں موجود ہیں۔ غزوہ تبوک میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے پورے مال کا نصف لا کر رسول اللہﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا‘ جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا تمام مال و اسباب لے کر حاضر ہو گئے تھے۔

دنیا کی تجارت میں بھی اپنا مال Invest کرتے ہیں اور اپنی جان بھی کھپاتے ہیں تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں کروڑوں روپے کا نفع بھی آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ یہاں کی زندگی عارضی ہے۔ جب انسان یہاں سے رخصت ہوتا ہے تو تمام مال و دولت اور اسباب و جائیداد یہیں چھوڑ جاتا ہے‘ جب کہ آخرت کا اجر اور جنت دائمی ہیں۔ وہاں کی نعمتیں انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائیں گی۔

فرمایا: ”یہی سب سے بڑی کامیابی ہے“۔ اس سے بڑی کامیابی کا کوئی اور تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس آیت مبارکہ میں ایک بندۂ مومن کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔

دوسری آیت میں بندۂ مومن کی زندگی کا لائحہ عمل اور اس کی خصوصیات بیان ہو رہی ہیں۔ گویا یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیع کا معاملہ کرنے والوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ یہاں کل نو صفات بیان ہوئی ہیں‘ جن میں سے پہلی چھ کا تعلق مومن کے ذاتی سیرت و کردار اور ذاتی طرز عمل سے ہے‘ جبکہ آخری تین ایک مسلمان معاشرے میں مومنین کے کردار سے متعلق ہیں۔

i) اَلتَّآئِبُوْنَ: کثرت کے ساتھ توبہ کرنے والے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے۔ ایک رویہ یہ ہے کہ انسان گناہ کرتا چلا جائے اور اسے کوئی پرواہی نہ ہو کہ وہ خالق کائنات کی مرضی کو توڑ رہا ہے‘ جبکہ بندۂ مومن کا طرز عمل یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی غلطی ہو جائے‘ کسی گناہ کا صدور ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف پلٹتا ہے کہ پروردگار! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے‘ مجھے معاف کر دیجئے۔

ii) اَلْعٰبِدُوْنَ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے۔ اس کی بندگی بجا لانے والے۔ ایک مومن کی زندگی عبادت سے عبارت ہوتی ہے اور اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ کی بندگی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

iii) اَلْحٰمِدُوْنَ: ایک کثرت کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کرنے والے۔ اس کا شکر ادا کرنے والے‘ اس کی تعریف و ثنا کرنے والے۔ اس صفت کا تعلق اللہ کی معرفت کے ساتھ ہے۔ انسان کو اپنے خالق و مالک کی جس قدر پہچان ہو گی اور اسے اللہ کی نعمتوں کا جتنا شعور ہو گا اسی نسبت سے وہ اللہ کی حمد و ثناء اور شکر و سپاس کا معاملہ کرے گا۔

iv) اَلسَّآئِحُوْنَ: دنیاوی لذات سے کنارہ کش رہنے والے۔ ایک مومن کی زندگی اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی نہیں ہوتی۔ نبی اکرمﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ)) یعنی دنیا کی حیثیت مومن کے لئے قید خانے کی اور کافر کے لئے جنت کی ہے۔ مومن تو اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کب اس کی قید کی مہلت ختم ہو اور وہ آزاد ہو کر اپنے گھر جائے۔

v`vi) اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ: (اللہ کے حضور) کثرت سے رکوع اور سجدے کرنے والے۔ یعنی وہ صرف فرض نمازوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نوافل کے اندر بھی اپنے آپ کو مستقلاً مشغول رکھتے ہیں۔

مومنین کی چھ ذاتی خصوصیات کے تذکرے کے بعد اب وہ صفات بیان ہو رہی ہیں جن کا تعلق معاشرے کی اصلاح سے ہے۔ فرمایا:

vii) اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ: کثرت کے ساتھ بھلائی کا حکم دینے والے۔

viii) وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ: اور کثرت کے ساتھ برائی کو روکنے والے۔

یعنی وہ صرف ذاتی اعتبار سے ہی اللہ کی بندگی پر کاربند نہیں رہتے بلکہ پورے معاشرے کو اسی رنگ میں رنگنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں نیکی اور بھلائی کو فروغ دیتے ہیں اور جہاں کوئی برائی دیکھیں اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں نبی اکرمﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

> ”تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے زور بازو سے (نیکی میں) بدل دے۔ پھر اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے) اور اگر اس اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو اپنے دل سے (برائی کو روکنے اور اس کے لئے قوت مہیا کرنے کا ارادہ کرے) ـــ اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“

iX) وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ: اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اگر معاشرے میں اللہ کی حدود قائم نہیں ہیں تو ان کو قائم کیا جائے۔ اللہ کے دین کو اجتماعی سطح پر قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے‘ اور جب یہ قائم ہو جائے تو پھر اس کی حفاظت کی جائے۔

قرآن حکیم کی رو سے ایک بندۂ مومن کی زندگی کا نقشہ تب مکمل ہوتا ہے جب وہ مندرجہ بالا انفرادی و اجتماعی اوصاف سے متصف ہو۔ آخر میں ارشاد ہوا:

X) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ”(اے نبیؐ!) ایسے مومنین کو (جنت کی) بشارت دے دیجئے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(مرتب: مرتضیٰ احمد)

اسلام اور سیکولرازم

(ایک تحلیلی وتقابلی جائزہ)

(تیسری اور آخری قسط)

ڈاکٹر ابصار احمد

The Prophet and His Message کے باب بعنوان Law and Islam کا درج ذیل اقتباس اسلام اور سیکولرازم کے موضوع پر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کا واضح ترین علمی موقف ہے جس کا مطلب بالکل صاف اور ہر ابہام اور شک وشبہ سے بالاتر ہے:

Islam without being a theocracy in the sense in which the West uses this word insisted on the common foundation of religion, morality and law. In Islamic society, law cannot be secular in the sense that it should renounce any connection with religion. For a Muslim religion is an all-comprehensive reality.

Personal morality, social relationship, private law, public law, inter-faith or international relations must be justified or referred back to the fundamentals of Islam.

سیکولرازم کے حامی انسانی زندگی اور معاشرت کے مسائل عقل' سائنس اور سائنسی منہاج کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر وارث میر محولہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

''(سیکولرازم) سے مراد ایک ایسا سیاسی یا معاشرتی نظام لیا جاتا رہا ہے جس کی اساس مذہبی امتیازات اور عقائد کی بجائے سائنس اور عقل پر ہو (اور اسلام سائنس کے خلاف نہیں ہے)''۔

لاریب' اسلام' سائنس اور عقل کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ لیکن کیا اسلام اس کی اجازت دے گا کہ اس کے پیش کردہ واضح دینی تصورات اور صریح احکامات میں بھی آپ اپنی عقل اور سائنس کا استعمال شروع کر دیں۔ اس صورت میں مذہب اور ''سائنٹزم Scientism'' میں کیا فرق رہ جائے گا اور کاش کہ پروفیسر صاحب سائنس اور سائنٹیفک منہاج کے بارے میں جدید مفکرین بالخصوص سوشل نقاد لوئیس ممفرڈ اور فرانسیسی ماہرین سائنس و اجتماعیات رینے ڈیوبو اور یاک ایلل کے خیالات پڑھ لیں تو ان پر تازہ ترین صورت حال کا انکشاف ہو۔ یہ بات گزشتہ صدی کی ہے جب سائنس اور سائنٹیفک منہاج کے علمبرداروں کا خیال تھا کہ یہ طریق تحقیق ان کے ہر عقدے اور ہر مسئلے کے حل میں ممد ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ سائنس کی ترقی لامحدود ہے اور اس کے ذریعے انسان ایک آئیڈیل معاشرہ اور پرسکون زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن موجودہ صدی کے وسط میں دنیا کے عظیم دانشوروں اور اہلِ سائنس نے اقرار کر لیا ہے کہ یہ سب خوش فہمی تھی۔ سائنس' ٹیکنالوجی' پروگریس' اقتصادی ترقی' ڈویلپمنٹ اور جدیدیت پر مشتمل جو لائحہ عمل مغربی فلاسفہ اور اہلِ دانش نے اپنے لئے تجویز کیا تھا' اب بہت سے اہلِ عقل وبصیرت کو دعوتِ فکر دے رہا ہے اور ان کی سوچ میں ایک بنیادی تبدیلی کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اب متعدد مفکرین اس امر کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ طبیعی علوم اور سائنٹفک منہاج کو دوبارہ مابعد الطبیعیات سے مربوط کیا جائے۔ پچھلی صدی کے سائنسی علمیاتی نظریات میں اقدار' مذہبی جذبات اور مابعد الطبیعیاتی افکار کو بالکل فرسودہ اور غیر متعلق تصور کیا گیا تھا۔ لیکن منہاجیات کے موضوع پر گزشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران جو اہم مقالات شائع ہوئے ہیں ان میں گزشتہ صدی سے رائج وحدانی اور لاقدری (Value- free or positivistic) قسم کا منہاج شدید تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ ان جدید مفکرین کا خیال ہے کہ علم کے منہاج کو وسیع النظری کے ساتھ کسی سوسائٹی کے تہذیبی اور دینی خیالات کو استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے۔ ان مفکرین میں پال فیئر آبنڈ' اوپن ہائمر' شوڈنگر اور فرتھ جوف کاپرا کے نام سرفہرست ہیں۔ اب یہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جا رہا ہے کہ مغربی سائنس اس کی مادہ پرستانہ تہذیب اور اس کے ظالمانہ علمی منہاج نے انسانیت کے قافلے کو ذہنی امن وسکون اور صحت مند ترقی کی بجائے الٹا نقصان پہنچایا ہے اور تباہی کی طرف دھکیلا ہے۔ یورپ کے بعد اب امریکہ کے بعض دانشور بھی ''جدیدیت'' اور ''سائنٹفک ترقی'' جیسے تصورات کی محدودیت اور نقائص کے قائل ہوتے جا رہے ہیں۔

اور عقل انسانی کا معاملہ جس پر سیکولرازیشن کے حامی تکیہ کرتے ہیں' کیا مختلف ہے؟ بقول علامہ اقبالؒ ع

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

کیا فرائڈ نے اس حقیقت کو مبرھن نہیں کر دیا کہ عقل طبیعی یا عقلِ جزئی حیوانی سطح اسفل اکثر پر ہے۔ جذبات' مرغوباتِ نفس اور تعصبات کی غلامی کرتی ہے۔ یہ مادیات اور طبیعیات میں محصور خرد انسان کو تشکیک اور تذبذب کی بھول بھلیوں سے نہیں نکال سکتی۔ انسانی عقل' کو جو اپنے محدود مشاہدات اور تجربات سے اصولِ حیات اور نظریہ حقیقت کا استقرار کرنا چاہتی ہے' نہ آدم کی روح ملکوتی اور اس کے لامحدود امکانات کا ارتقاء سمجھ میں آ سکتا ہے اور نہ نبی کی نبوت۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور تزکیہ نفس ہی سے عقل میں وہ روحانی تنویر پیدا ہوتی ہے جو اسے شہوات کی غلامی اور حیلہ گری سے نجات دلاتی ہے۔ مغرب کی تعلّی آمیز اور مائل بہ الحاد عقلیت ہی سے بیزار ہو کر شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے انسانی عقل محدود کو الحاد آفریں' بہانہ جو اور فسوں گر کہا ہے اور اس کی کوتاہ نظری اور حقیقت نارسی کا بیان مختلف پیراؤں میں کیا خوب کیا ہے:

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے
تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زناری

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم جو خود علامہ اقبالؒ کی طرح قدیم اور جدید تفلسف میں تربیت یافتہ تھے اور عذاب دانش حاضر سے پوری طرح باخبر اور سوختۂ نار افرنگ تھے' اپنی تصانیف میں بتکرار اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ یورپ اور مغربی سائنس کے پاس محدود عقل وخرد کے سوا کوئی ذریعۂ علم نہیں ہے اور خرد کے نظریات ہر دم متغیر اور باہم متصادم رہتے ہیں۔ چنانچہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ خود انہیں علمی وفکری اماں ملی تو عارف رومیؒ کے ''اختلاط ذکر وفکر'' میں۔

پروفیسر وارث میر صاحب نے سیکولرازم کا فلسفہ اور

استدلال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین نصر کے افکار پر بھی گرفت کی ہے۔ اس بحث کو کسی دوسری نشست کے لئے مؤخر کرتے ہوئے آخر میں ان کے ایک خیال کی تصحیح ضروری سمجھتا ہوں۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے دنیاوی ترقی کی خواہش کو مغربیت کا متبادل تصور کرلیا۔ لفظ دنیا سے نفرت ہی لفظ سیکولرازم سے نفرت کی بنیاد بنا۔''

حقیقت یہ ہے کہ معاملہ صرف الفاظ کا نہیں ان کے مفاہیم اور پس پردہ نظریات کا ہے۔ سطور بالا میں میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیکولرازم کسی طور پر بھی اسلام کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اسلام دنیاوی اور سائنسی ترقی کے نہ کبھی ماضی میں آڑے آیا ہے اور نہ آج ہے۔ دنیاوی ترقی کا کوئی پہلو اس وقت غیر مطلوب ہوتا ہے جب وہ مسلمان کو اپنی حقیقت اور باطنی شخصیت کی طرف سے غافل کردے اور اپنے خالقِ حقیقی سے بھی محجوب کردے۔

جہاں تک حریت فکر اور ارتقاء حیات وتمدنِ انسانی کے پیش نظر ''خرد افروزی'' فکرِ نو اور اجتہاد کا سوال ہے' میں سمجھتا ہوں کہ قرآن وسنت نے اس باب میں ہماری سوچ اور ذہن کے عمل دخل اور کارفرمائی کے لئے بڑی کھلی گنجائش فراہم کی ہے۔ ایک طرف دین کے صریح اوامر ہیں جن میں فرض' واجب' سنتِ مؤکدہ اور سنتِ غیر مؤکدہ کی تخصیص اور درجہ بندی ہے اور دوسری طرف صریح اور منصوص تحریمات ہیں جن میں مکروہات تحریمی اور مکروہاتِ تنزیہی شامل ہیں جو اگرچہ حرام مطلق نہیں۔ ان دو فصیلوں کے درمیان مباحات کا ایک وسیع دائرہ ہے جہاں مسلمان جمہور اپنے لجسلیٹو یعنی قانون ساز اختیار استعمال کرسکتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ یہ اجتہادی فکرِ نو پروفیسر وارث میر صاحب کی رائے کے برعکس ''سیکولر'' نہیں ہوتا کیونکہ صدق دل سے کلمۂ توحید اور اثباتِ رسالت کے بعد ایک مومن صادق کی سوچ اور نظر قولِ رسولؐ کے مطابق ایمانی اور نورانی ہوجاتی ہے۔ (اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّه يَنْظُر بِنُورِ اللّٰه)

جو لوگ اسلام کی اساسات' اس کے تہذیبی ڈھانچے اور متفقہ ومسلم قانونی پہلو میں ترقی پسندانہ' روشن خیال اور بگ ٹٹ جدیدیت کے علمبردار ہیں' ان کے علم میں یہ بات رہنی چاہئے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیائے اسلام میں اسی قسم کا فکری انقلاب لانا چاہتے ہیں جو موجودہ صدی میں بعض ''روایت شکن'' دانشوروں اور ادیبوں کی تحریروں سے مغرب میں آیا جن میں روڈلف بلٹمان' بون ہوئے فر' پال ٹلک' بشپ آف وولچ جان رابنسن' ایسٹائر کی اور دوسرے بہت سے مفکرین اور ادیب شامل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ان جدید افکار کے زیر اثر عیسائیت میں سے ایک مابعد الطبیعاتی مذہبی روایت کی حیثیت سے بچی کھچی روح بھی نکل گئی اور وہ ایک کلچرل ''کلٹ'' کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ چنانچہ مسیحی دنیا میں اب ''ڈیتھ آف گاڈ تھیالوجی'' اور خدا کے وجود پر ایمان ویقین کے بغیر کرسچین یقین (Faith) کے موضوع پر کتابیں اور مقالات لکھے جارہے ہیں اور عملی اعتبارات سے ہر قسم کی اخلاقی وجنسی بے راہ روی کے لئے سندِ جواز فراہم کیا جارہا ہے۔ ہمارے مسلمان دانشوروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ عیسائیت کے برخلاف قرآن اور اسلام کی تعلیمات بالکل واضح' فطری اور عقلِ علیم کے عین مطابق ہیں۔ ان میں متھس (Myths) کا شائبہ تک نہیں جن کی متھ شکنی (Demytholigizing) کے لئے کسی روڈلف بلٹمان کی ضرورت پڑے!

آپس کی اصلاح اور اس کا طریقہ

ہم اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ آپس میں بھی ایک دوسرے کی اصلاح کریں۔ ہم جو لوگ خدا کی خاطر کلمہ حق کی سربلندی کے لئے ایک جماعت بنے ہیں' ہمیں ایک دوسرے کا ہمدرد ومددگار اور غم خوار ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد عظیم میں کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہماری جماعت بحیثیت مجموعی اخلاق اور نظم کے لحاظ سے مضبوط نہ ہو۔ اس احساس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار بنیں اور ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو سہارا دے کر خدا کی راہ میں آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔

اسلام میں اجتماعی تزکیے کا طریقہ یہی ہے۔ میں گرتا نظر آؤں تو آپ دوڑ کر مجھے سنبھالیں اور آپ لغزش کھارہے ہوں تو میں بڑھ کر آپ کا ہاتھ تھام لوں۔ میرے دامن پر کوئی دھبہ نظر آئے تو آپ اسے صاف کریں اور آپ کا دامن آلودہ ہورہا ہو تو میں اسے پاک کروں جس چیز میں میری فلاح وبہتری آپ کو محسوس ہو' اسے آپ مجھ تک پہنچائیں اور جس چیز میں آپ کی دنیا وعاقبت کی درستگی مجھے محسوس ہو' اسے میں آپ تک پہنچاؤں۔

مادی دنیا میں جب لوگ ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں تو مجموعی طور پر سب کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق وروحانیت کی دنیا میں بھی جب یہ باہمی امداد اور داد واستد کا طریقہ چل پڑتا ہے تو پوری جماعت کا سرمایہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

باہمی اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی کوئی بات آپ کو کھٹکے یا جس سے کوئی شکایت ہم کو ہو' ہم اس کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ پہلے اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر اولین فرصت میں خود اس شخص سے مل کر اس سے بات کریں۔ اس پر اگر اصلاح نہ ہو اور معاملہ ہماری نگاہ میں کچھ اہمیت رکھتا ہو تو اسے اپنے علاقہ کے امیر کے نوٹس میں لائیں۔ وہ پہلے خود اصلاح کی کوشش کریں اور پھر ضرورت ہو تو مقامی اجتماع میں اسے پیش کریں۔ اس پوری مدت میں اس معاملہ کا ذکر غیر متعلق لوگوں سے کرنا' اور شخص متعلق کی غیر موجودگی میں اس کا چرچا کرنا' صریحاً غیبت ہے۔ جس سے **قطعی اجتناب** کرنا چاہئے۔ نیز ایسے معاملات میں مرکز کی طرف رجوع کرنا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک مقامی تنظیم/جماعت اصلاح کی سعی میں ناکام ہوکر مرکز سے مدد لینے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔

اللہ ہمیں علم وعمل سے مالا مال کرے اور ہماری غلطیوں سے صرف نظر فرمائے۔ آمین

(محمد رضوان عزمی' ہارون آباد)

کعبة اللّٰه

انساں نے اسی گھر سے آدابِ وفا سیکھے
دنیا نے اس در سے الفت کی ضیا پائی
رفعت میں نہیں دیکھا کوئی بھی مقام ایسا
پست اس کے مقابل ہے افلاک کی اونچائی
بخشی ہے اسی گھر کے دیوار کے سائے نے
احساس کی گہرائی ادراک کی گیرائی
اکناب دو عالم سے آتے ہیں زیارت کو
توحید کے پروانے' اسلام کے شیدائی
توحید کے نغموں سے گونج اٹھی ہے پھر دنیا
پھر گلشن بطحا سے رحمت کی نسیم آئی
برکت میں بہاروں کی ہم رشتہ ہے طوبیٰ سے
ظلمت میں خزاؤں کی یہ شاخ نہ مرجھائی
زیدی یہ صداقت ہے ہوگی اسی مرکز سے
لالے کی ضیابندی' بلبل کی پذیرائی

(سید نظر زیدی)

(دوسری اور آخری قسط)

تیار چھتوں کے باکمال موجد کی آپ بیتی

تحریر: اظہار احمد قریشی مرحوم

پچھلی جمعرات 8 جولائی کو ''تنظیم اسلامی'' کے معزز رکن' بانیٔ تنظیم کے بڑے بھائی اور پاکستان کے مایۂ ناز انجینئر اور تیار چھتوں کے موجد محترم اظہار احمد قریشی صاحب کا انتقال تمام ''رفقائے تنظیم'' کے لئے شدید صدمے کا باعث ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اُن کی مقبولیت کا اندازہ اُن کے جنازے میں پروانہ وار شریک ہونے والے ہزاروں عقیدت مندوں سے ہوسکتا ہے۔ جنازے کی اجتماعی دعا بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد نے کی جس کا اثر ہر دل نے آبدیدگی کے ساتھ قبول کیا۔ اس شمارے میں محترم اظہار احمد صاحب مرحوم و مغفور کا ایک مضمون شاملِ اشاعت ہے' جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسی کٹھن زندگی کس شان سے بسر کی تھی۔ یہ مضمون گزشتہ سال اردو ڈائجسٹ کے ''سیلف میڈ مشاہیر نمبر'' میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون دراصل مرحوم کی خودنوشت کی تلخیص ہے جو انگریزی زبان میں کتابی صورت میں چھپی تھی۔ (ادارہ)

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس سائنسی حقیقت سے عملی دنیا میں کس طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے لئے ہمارے مناسب حال ٹیکنالوجی کی ضرورت تھی جو ساری دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ طریقہ کار یورپ' امریکہ اور جاپان کی تعمیرات میں زیر استعمال تھا اور انہوں نے ضرورت اور حالات کے مطابق اس ٹیکنالوجی کو بہت ترقی دی لیکن ترقی یافتہ ممالک کی ٹیکنالوجی پاکستان جیسے ترقی پزیر ممالک میں استعمال کرنا ناممکن تھا۔ یہاں مزدوری سستی اور مشینری مہنگی تھی جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں مزدوری مہنگی اور مشینری سستی ہے۔ اس فرق کے باعث یہ لازمی تھا کہ ہم اپنے حالات کے مطابق اپنی ٹیکنالوجی خود دریافت کریں اور اسے ترقی دیں۔ چنانچہ تحقیق کی شدید ضرورت تھی۔ مجھے تحقیق کا شوق تھا' لہٰذا میں نے اپنے کندھے پیش کر دیئے حالانکہ متعدد کاروباری ادارے ناکام تحقیق کر چکے تھے۔ اس ضمن میں خدا نے مجھے شاندار کامیابی عطا کی۔

میں نے اپنے تجربوں کے لئے جوہر آباد کا انتخاب کیا۔ یہ ایک شہر بھی تھا اور دیہات بھی اور ساتھ ہی سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اس کا انتخاب کر لیا۔ جوہر آباد کی پرسکون فضا میں کام میں خوب دل لگتا۔ یہاں میں نے ساڑھے پانچ ایکڑ زمین پر قریباً پچیس ہزار مربع فٹ مکینیکل اور الیکٹریکل ورکشاپ اور متعلقہ عمارات بنائیں۔ کام اس قدر زور و شور سے شروع کیا کہ رات کے دس گیارہ بجے تک لوہے پر ہتھوڑے چلنے کی آوازیں اس چھوٹے سے شہر میں گونجتی۔ کئی لوگ یہ سمجھے کہ کوئی اسلحہ ساز کارخانہ بن رہا ہے۔ اصل میں تحقیق جس وسیع پیمانے پر کی گئی اتنا بڑا پیمانہ تو سرکاری لیبارٹریوں کا بھی نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا!

ہم نے صفر سے آغاز کیا۔ ہمارے پلے تو انجینئرنگ کالج کی تعلیم اور فارمولے وغیرہ ہی تھے۔ اس کے باوجود ہم نے بڑے پیمانے اور تیز رفتاری سے مختلف تجربات کئے۔ ان سے علم سیکھا اور پھر اسے استعمال کیا۔ گویا ہماری ورکشاپ ایک بڑا تربیتی مرکز بھی اور ایک تحقیقی ادارہ بھی۔

تجربات کی مدد سے ہم نے مختلف انداز کے گارڈرز' بالے اور ٹائلیں تیار کیں۔ نیز تیار چھتیں بھی تیار کر لی گئیں جو ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اب لازم تھا کہ ہم اپنا تیار کردہ پری کاسٹ مال مختلف تعمیرات میں استعمال کرتے تاکہ اس کی آزمائش ہوتی۔ لیکن پاکستانی انجینئروں میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لاتے اور ہمیں اپنا مال استعمال کرنے کا موقع مہیا کرتے۔ نجی گفتگو میں وہ ہمارے مال کے معیار پر اطمینان کا اظہار کرتے لیکن سرکاری طور پر ہماری اس دلیرانہ اور بے مثال تحقیق کی جو سراسر نجی فنڈ سے ہوئی تھی' قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ اس حوصلہ شکن رویے کے باوجود ہم اپنا مال کھلے بازار میں لے آئے۔ اس کی تشہیر کے لئے ہم نے سامان چند گاڑیوں پر لادا اور لاؤڈ سپیکروں سے چوراہوں پر اس کی خصوصیات کا اعلان کرتے رہے۔ میں بھی اپنے شوق میں ایسے کئی دوروں میں ساتھ رہا تاکہ دیکھنے اور سننے والوں کے سوالات کے جواب موقع پر دے سکوں۔

جب عام لوگوں نے ہمارا مال آزمائشی طور پر استعمال کیا تو اسے بہت موزوں پایا اور پھر مزید خریدا۔ یوں تعمیرات میں ہمارے مال کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ تب ہماری انجینئرنگ برادری بھی اس کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی۔ بہرحال تحقیق' مال کی تیاری اور پھر اسے بیچنے تک کے تمام مرحلے ہم نے خود طے کئے۔

مشینری کی مقامی ساخت

شروع دن ہی سے ہمارا یہ مقصد رہا کہ پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ کے فوائد عوام خاص طور پر غریب آدمی تک پہنچیں۔ لیکن یہ مقصد پانے کیلئے کئی کارخانے درکار تھے یہ بھی ضروری تھا کہ ان میں استعمال ہونے والی کل مشینری بھی پاکستان ہی میں بنے۔ شروع میں ہمارے پاس برطانوی ساختہ ہائیڈرالک مشینری تھی کیونکہ پورے ملک میں ایسی مشینری بنانے والا کوئی ادارہ نہیں تھا۔ ہم چینیوں کی طرح متبادل مشین بنانے کی کوشش کرتے رہے جو بخوبی کام کر سکے اور تسلی بخش بھی ہو۔ نیز پاکستان میں دھاتوں کا علم ترقی پذیر تھا لہٰذا ہمارے کام سے متعلقہ اوزار باہر سے آتے۔ اپنی مشینری اور اپنے اوزار بنانے کے لئے ہم نے کئی تجربات کئے اور اللہ کے فضل اور محنت سے کامیاب ہوئے۔

ہم نے بھی چینیوں کی طرح غیر ملکی مال بنانے والوں کو شکست دیدی۔ ہائیڈرالک مشینری' گریس' وائبریٹر اور وائبریٹنگ ٹیبلز' پری ٹنشنگ بیڈز کے اینکرز' بیڈ کی گھوڑیاں لوہے کی شٹرنگ اور بیڈ سے اور ہیڈ کرین کے ذریعہ مال اٹھانے' لے جانے اور موقع پر مال چڑھانے کی ساری ٹیکنالوجی ہم نے خدا کے فضل و کرم سے خود سیکھی' جگہ جگہ استعمال اور شوق رکھنے والوں کو سکھائی۔

خدمت خلق کا جذبہ

ہم نے اس قدر خرچ کر کے ٹیکنالوجی حاصل کی وہ ہم نے چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ جس کسی نے بھی دلچسپی ظاہر کی' اسے خوش آمدید کہا اور اس کام کا کارخانہ لگانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے والے چھ سو کارخانے لگ گئے۔ یہ

ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے کہ ان سب کا تیار کردہ مال ''اظہار کا مال'' کہلاتا ہے حالانکہ ہمارے کارخانے صرف سات ہیں۔

برطانیہ اور فرانس کا دورہ

یہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد میں انگلستان کا دورہ کیا اور وہاں پری کاسٹ اور پری سٹریسڈ کنکریٹ کے متعدد کارخانے دیکھے۔ خدا کے فضل و کرم سے مجھے مکمل اطمینان حاصل ہوا اور ہمارا مال وہاں سے کسی طرح گھٹیا نہیں۔ پیرس میں مشہور فرانسیسی نیٹ فیکٹری دیکھنے گیا تو ان کا فورمین اس دن بیمار تھا۔ وہاں ایک فرانسیسی انجینئر سے گفتگو ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا کام کرتے ہو؟ جب میں نے بتایا تو اس نے شفقت سے مجھے بٹھایا اور کہا ''قریشی صاحب! آپ بالکل صحیح سمت جا رہے ہیں۔ آپ کو یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ لوگ اپنا پیچیدہ مال بہت زیادہ قیمت میں بیچتے ہیں۔

جانے کسی ترنگ میں وہ فرانسیسی سچی بات کہہ گیا۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لئے کام کرنے کا طریقہ وہی مناسب ہے اور وارے میں آتا ہے جو ہم نے اختیار کیا۔ اگر ہم یورپ جا کر پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ کا ایک کارخانہ خریدتے' تو ہمارے کم از کم پچاس کروڑ روپے خرچ ہو جاتے جس میں ہمارے انجینئروں کے وہاں جا کر تربیت لینے اور ان کے ایک دو انجینئروں کے یہاں آ کر تین چار مہینے ٹھہرنے کا خرچہ بھی شامل ہوتا۔ لیکن اتنا خرچ کرنے کے بعد بھی مزید کارخانے لگانے کے لئے ہم یورپ کے محتاج ہی رہتے' خصوصاً فالتو پرزوں اور نت نئے ڈیزائنوں کے معاملے میں ہمارے دماغ کام کرنا چھوڑ دیتے اور ہم ہر چیز درآمد کرنے لگتے' چنانچہ ثابت ہوا کہ ٹیکنالوجی کو خود ترقی دینا سب سے زیادہ منافع بخش اور مفید کام ہے۔ جن ممالک کو ٹیکنالوجی درآمد کرنے کی عادت ہے۔ وہ سخت گھاٹے میں رہتے ہیں۔

مزید ترقی

پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ کی ٹیکنالوجی پر بڑی حد تک قابو پانے کے بعد ہمارے لئے بہت سے نئے کام آسان ہو گئے۔ ہم 59ء ہی سے ڈیزائن مع تعمیر کے ٹھیکے لیا کرتے تھے اور ہر کام میں کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ ہم نے 68ء میں کوہاٹ ٹیکسٹائل مل میں پری کاسٹ کنکریٹ سے دوہری (ڈبل) چھت بنائی جو اس سے قبل کہیں نہیں بنائی گئی تھی۔ یہ سب کو بہت پسند آئی۔

69ء میں سرگودھا کے مرحوم کرنل وسیم انصاری میرے پاس جوہر آباد تشریف لائے۔ انہیں ایک پہاڑی پر جو زمین سے ایک ہزار فٹ بلند تھی' ایک تین منزلہ ریڈار عمارت بنانی تھی۔ اس منصوبے پر بہت زیادہ تاخیر ہو چکی تھی' ان کے پاس اب صرف چار ہفتے کا وقت تھا۔ میں نے اس کام کی ذمہ داری لے لی۔ پہاڑی پر اوپر جانے کا راستہ نہیں تھا' تمام سامان مع پانی سروں پر لے جانا تھا۔ خود میں بھی دو دفعہ آرام کر کے ہی چوٹی پر پہنچ سکتا تھا۔ خدا کے فضل سے ہماری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ ٹیکنالوجی نے کرامت کر دکھائی اور کام وقت پر ختم ہو گیا۔ مرحوم کرنل وسیم انصاری نے خوش ہو کر ہمیں سرٹیفکیٹ دیا:

''اظہار لمیٹڈ کنکریٹ کے کام میں جدت نگار ہیں''۔

کم لاگت کے مکانات

1972ء میں بھٹو نے کم قیمت کے مکانات میں بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کی' چنانچہ ہم نے دو کمرے' برآمدہ' غسل خانہ' بیت الخلاء' راستہ' سیڑھیاں سب ملا کر نمونے کے طور پر ایک مکان بنایا جو چار منزلہ عمارت کا حصہ تھا اور اسے اپنی کورنگی فیکٹری کی کراچی میں مکمل کیا۔ پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ کے استعمال کی وجہ سے مکان پائیدار' خوبصورت اور قیمت میں کم تھا' یعنی صرف 6400 روپے کا جبکہ اس زمانے میں اس قسم کا مکان 8500 روپے سے کم میں نہیں بنتا تھا۔ افسر مجاز جناب ایم جی صدیقی' چیف انجینئر پی ڈبلیو ڈی بے حد قابل اور محنتی انجینئر تھے۔ انہوں نے ہمارے کام میں خصوصی دلچسپی لی۔ کئی مرتبہ تشریف لائے' ہمیں شاباش دی اور ہمارا کام پسند کر لیا' چنانچہ اس سے اگلے دن ہمیں مکانوں کے ایک بڑے منصوبے کا ٹھیکہ ملنا طے ہو گیا۔ اتنے میں ایک سوشلسٹ وفاقی وزیر کا اسلام آباد سے فون پر حکم آ گیا کہ یہ کام نیشنل کنسٹرکشن کمپنی کو دے دو۔ اس سے ہمارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پری کاسٹنگ اور پری سٹریسنگ پر ہم نے جتنی محنت اور جتنے اخراجات کئے تھے' ان کا فائدہ کم لاگت کے مکانات کی تعمیر ہی میں اٹھایا جا سکتا تھا جس کا موقع حکومت کے ہاتھ سے نکل گیا۔

نیشنل کنسٹرکشن کمپنی نے آگے کیا کام کرنا تھا' یہ تو سوشلسٹوں کے سفید ہاتھیوں میں سے ایک تھا۔ اگر یہ کام ہمارے پاس رہتا تو ہم ضرور کم لاگت کے مکانات کی تعمیر کے فن کو بہت ترقی دیتے۔ اب جب میں کم لاگت میں بن سکنے والے مکانات زیادہ قیمت میں تعمیر ہوتے دیکھتا ہوں تو مجھے بہت کوفت ہوتی ہے۔ میرے اندر کا محب وطن اور غریب دوست انسان سخت تکلیف محسوس کرتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ میری زندگی کی اس خواہش کی تکمیل کا بھی موقع دے دے۔ (آمین!)

میرا فخریہ کارنامہ

اب تک کا میرا آخری کام پری کاسٹ اینڈ پری سٹریسڈ کنکریٹ شیلز ہے۔ اسے ہم نے لاہور میں ترقی دی اور یہیں ہاجرہ میموریل مسجد' فیروزپور روڈ پر شیلوں کی بہت خوبصورت چھت بنائی۔ اس کے بعد ہم نے کراچی میں گندھارا' نسان کار پلانٹ کا اڑھائی لاکھ مربع فٹ رقبہ ان شیلوں سے چھتا۔ اس منصوبے پر جاپانی حصہ داروں نے ہمارے ڈیزائن اور ہماری تعمیر کو بہت سراہا اور بتایا کہ انہوں نے ایسا کام دنیا میں کہیں اور ہوتے نہیں دیکھا۔

نوجوان آپ جاسکتے ہیں

میری سوچ اور احساس کی بنیاد خداوند تعالیٰ کا شکر ہے' چنانچہ قریباً دو سال ہوئے جب میری بیوی کا سرطان تشخیص ہوا' تو میرے ہونٹوں پر دعا آئی ''میرے اللہ! تو نے مجھے کبھی کسی بھی نعمت سے محروم نہیں رکھا لہٰذا مجھے بیوی کی نعمت سے بھی محروم نہ رکھیو''۔ خدا کا شکر ہے کہ میری بیوی کی حالت سنبھل گئی۔

میں تقریباً ساری عمر معدے کا مریض رہا ہوں' لیکن میری انتہائی دلچسپ مصروفیات اور پے در پے کامیابیوں کی خوشیوں کے باعث میری صحت خدا کے فضل و کرم سے اچھی رہی۔ ابھی دو سال ہوئے' میرے بیٹے مجھے ایک بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گئے کہ آخر کبھی تو طبی معائنہ ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سات آٹھ امراض کا نام لیا اور پوچھا کہ ان میں سے مجھے کوئی ہے؟ میں نے ذرا مزاحیہ انداز میں کہا ''یہ امراض تو سب میرے دشمنوں کو ہوتے ہیں''۔

ڈاکٹر صاحب نے پھر کہا ''آپ کا بلڈ پریشر نوجوانوں کا سا ہے''۔ پھر مزید معائنہ کیا اور آخری فیصلہ یہ دیا:

''نوجوان! آپ جا سکتے ہیں''۔

استاد چچا جمعدار حیات خان

مجھے تجربوں اور تعمیر کے کام میں سب سے زیادہ مدد بلکہ رہنمائی استاد چچا جمعدار حیات خان سے ملی۔ وہ ان پڑھ تھے لیکن ان کا مشاہدہ اور یادداشت بلا کی تھی۔ اس قابلیت کے لوگ بہت کم اور ہمارے ملک کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔

چچا حیات اور مجھ میں گہرے پیار کا رشتہ تھا۔ یہ لوگ فن میں اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں پیسے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی' یہ حقیقی درویش ہوتے ہیں۔ چچا میرے ساتھ چھتیس سال رہے اور اس دوران تنخواہ میں اضافے کے معاملے پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی۔ جب وہ ریٹائرمنٹ پر جا رہے تھے' تو جو کچھ دیا گیا' وہ گنے بغیر لے کر دستخط کر دیئے۔ بعد کو ان کی زیارت کی خاطر کمر شانی جایا کرتا اور ان سے دعا لیتا تھا۔

59ء میں سیٹھ عثمان سلیمان کے ہاں کام کا آغاز کرتے ہی میں نے اپنے کاروبار کو غیر اعلان شدہ ٹرسٹ بنا لیا تھا۔ اس کی یہی حالت پورے گیارہ سال یعنی 70ء تک

رہی جب میں نے انتخاب میں حصہ لیا۔ 97ء کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ میں نے اپنے انتہائی آسودہ جذبات کے تحت اپنے ایک دوست سے کہا ''میں تو دنیا کا امیر ترین شخص ہوں''۔

وہ صاحب چونکے اور کہا: ''وہ کیسے؟''

میں نے عرض کیا'' ''میں آج کی دنیا کی ہر چیز خرید سکتا ہوں اور کیا امیر ترین شخص کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟

اہل وطن کے سادہ مکانات

مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں پاکستان کی آبادی بہت بڑھ جانے کے باعث ہمیں مکانوں کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی' چنانچہ ضروری ہے کہ سادہ مکانوں کا رواج دیا جائے۔ اس سلسلے میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

(۱) درمیانے اور اونچے طبقے کے مکانات میں ایک ڈرائنگ روم' ایک ڈائننگ روم اور مہمان کا کمرا علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ یہ تینوں ضروریات ایک ہی بڑا کمرہ پورا کرسکتا ہے۔ اس کمرے میں صوفے کے بجائے ہلکی آرام دہ کرسیاں ہوں جو بآسانی ادھر سے ادھر رکھی جا سکیں۔ (صوفہ سیٹ تو ایک ہی جگہ رہتا اور زیادہ جگہ گھیرتا ہے) درمیان میں میز ہو جس پر کھانا کھایا جا سکے۔ مہمان کے لئے ایک بستر ڈالا جا سکتا ہے۔ اس کمرے کے ساتھ ملحقہ غسل خانے سے تمام ضروریات پوری ہوسکتی ہیں جس کا ایک دروازہ مکان کے اندرونی جانب کھلے تا کہ بوقت ضرورت دوسرے لوگوں کے بھی کام آسکے۔

(۲) کمروں میں بہت بڑے حجم کے بستر رواج پا گئے ہیں۔ آرام سے سونے کے لئے چھوٹے بستر کافی ہیں۔ وہ ہلکے بھی ہونے چاہئیں تا کہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے آسانی سے منتقل ہوسکیں۔

(۳) ایک سے زیادہ غسل خانوں کی ضرورت ہو تو وہ ملحقہ کے بجائے علیحدہ ہونے چاہئیں۔

تحریک خدمتِ پاکستان

میں نے دنیا بھر کے کئی ممالک دیکھے ہیں جن میں پاکستان بدحال ترین ممالک میں شامل ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر دل بھر آتا ہے۔ قوم اور ملک کی حالت درست کرنے کی فکر ہی تھی کہ میں نے 1970ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کی نشست کے لئے امیدوار بننا منظور کیا۔ انتخابات میں بے حد کام کرنے کے علاوہ روپیہ بھی خرچ ہوا تاہم میں نشست جیت نہ سکا۔ پھر مجھ پر سیاسی نیند طاری ہوگئی۔ آخر فروری 97ء میں ہڑبڑا کر اٹھا جب میاں نواز شریف نے اپنی مشہور ''قرض اتارو ملک سنوارو' والی حب الوطنی سے بھرپور جذباتی تقریر کی' چنانچہ میرا بھی پرانا جوش اور ولولہ تازہ ہوا۔ بدقسمتی سے میاں صاحب اپنی تحریک کی صحیح رہنمائی نہ کر سکے۔

یکم اکتوبر 98ء کو میں نے اپنا کاروبار اور اپنا فن اپنے پانچ بیٹوں کے حوالے کیا اور خود تحریک خدمت پاکستان شروع کردی۔ وطن عزیز کے غریب اور کمزور ملک رہ جانے میں صرف نواز شریف یا بے نظیر یا ان کے چند ساتھیوں کا قصور نہیں بلکہ اس میں قوم کے سب کھاتے پیتے اور سمجھ بوجھ والے لوگ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے وطن سے اپنی محبت کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا' بس اپنے کھانے کمانے میں ہمہ وقت مصروف رہے۔

غربی دور کرنے کا ایک آسان فارمولا یہ ہے کہ مملکت پاکستان میں کسی شخص کو اتنے غلیظ ماحول میں نہ رہنے دیا جائے کہ یہاں کا امیر ترین شخص اس کے پاس جا کر چائے کی پیالی بھی نہ پی سکے اور کسی شخص کو اپنے اردگرد اتنا ٹھاٹھ باٹھ کا ماحول بنانے سے روکا جائے کہ کسی غریب آدمی کا وہاں سے گزر ہو تو وہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔ یہ اصل اسلامی برادری ہے جس کی برکات سارے ماحول پر اور معیشت پر مثبت اثر ڈالیں گی۔

محترم اظہار احمد صاحب کی رحلت پر اظہارِ تعزیت کے لئے وزیراعظم پاکستان چودھری شجاعت حسین صاحب 18 جولائی کی شام کو اُن کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پاس ''قرآن اکیڈمی'' تشریف لائے اور موجودہ سیاسی حالات پر گفتگو کے علاوہ قومی اسمبلی میں پیش ہونے والے بعض قانونی بلوں پر بھی ڈاکٹر صاحب سے مشاورت اور رائے طلبی کی۔

رحمان کیانی

منتخب تحریکی نظم

نئی نسل کے نام

تم جہاں گیر و جہاں دار و جہاں ساز کہ ہو
سربکف' شعلہ بجاں' محوِ تگ و تاز کہ ہو

بزمِ انجم میں چلو' شہرِ نگاراں میں چلو
کوچۂ گل میں چلو' قصرِ بہاراں میں چلو
لالہ زاروں میں کسی شعلہ دہن کو ڈھونڈو
سبزہ زاروں میں غزالانِ ختن کو ڈھونڈو
کہکشاں زار میں بنتِ مہ و پرویں سے ملو
لیلیٰ شب سے ملو' صبح کی شیریں سے ملو
حلۂ شرق میں خوابیدہ دلھن کو دیکھو
شبستان میں دوشیزہ کرن کو دیکھو
کاخِ فانوس میں پوشیدہ شرر سے کھیلو
شمعِ گریاں کے لب و عارضِ تر سے کھیلو
کشت و صحرا میں چلو' کوہ و کمر میں ناچو
موجِ طوفاں سے گلے مل کے بھنور میں ناچو

تم جہاں گیرو جہاں دار و جہاں ساز کہ ہو
سربکف' شعلہ بجاں' محوِ تگ و تازہ کہ ہو

اولاً اپنے مکاں اپنے جہاں کی سوچو
پھر ستاروں سے جو آگے ہے وہاں کی سوچو
محفلِ علم میں تکرار ہے تاویلیں ہیں
بزمِ دانش میں چرائی ہوئی قندیلیں ہیں
عقلِ بدنام یہاں' فکر کی رسوائی ہے
کوئی عاشق ہے یہاں اور کوئی سودائی ہے
تم غمِ جاں کو عطائے غمِ دوراں سمجھو
ماہ منت کشِ خورشید درخشاں سمجھو
یہ جہاں نام نہیں ہے کسی ویرانے کا
زندگی خواب نہیں ہے کسی دیوانے کا
آدمی چوبِ حرم ہی نہیں باکار بھی ہے
سنگ و تیشہ بھی ہے' خامہ بھی ہے تلوار بھی ہے

تم جہاں گیرو جہاں دار و جہاں ساز کہ ہو
سربکف' شعلہ بجاں' محوِ تگ و تازہ کہ ہو

محفلِ شوق میں شامل صفتِ جام رہو
بزمِ امکاں میں حریفِ سحر و شام رہو
زلفِ پرخم سے چلو' عارض و لب تک پہنچو
شامِ ہجراں سے چلو' صبحِ طرب تک پہنچو
بنتِ حالات کے دوشیزہ بدن سے کھیلو
جسدِ وقت کی ہر طرفہ شکن سے کھیلو
چشمِ ادراک سے خمیازۂ مستی لے لو
لبِ دانش سے خراجِ غمِ ہستی لے لو
کھل اٹھیں پھول اگر جانبِ صحرا گزرو
ابرِ نیساں کی طرح جب سرِ دریا گزرو
ہر صدف صاحبِ اقلیم گہر ہو جائے
حجلۂ بانوئے دوراں میں سحر ہو جائے

تم جہاں گیرو جہاں دار و جہاں ساز کہ ہو
سربکف' شعلہ بجاں' محوِ تگ و تازہ کہ ہو

(انتخاب: قاضی عبدالقادر)

محترم اظہار احمد مرحوم کی "خودنوشت" کی تلخیص پر ان کے چھوٹے بھائی اسرار احمد صاحب کی مختصر مگر پُردرد تحریر

اظہارِ تشکر اور بعض تصحیحات

اسرار احمد عفی عنہ

میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے انتقال پُر ملال پر ایک جم غفیر تو بحمد اللہ نماز جنازہ میں شریک تھا۔ حالانکہ صورت ایسی تھی کہ کوئی اخباری اطلاع یا اعلان ممکن نہ تھا —— تاہم غالباً پی ٹی وی نے اپنی پانچ بجے شام کی خبروں میں چونکہ نماز جنازہ کے وقت اور مقام کا اعلان کر دیا تھا' لہٰذا بہت سے احباب کو بروقت اطلاع ہو گئی۔ بہر حال ہم ان سب حضرات کے ممنون اور احسان مند ہیں جنہوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی' اور اس سے بھی زیادہ ان کے جو تدفین کے آخری مراحل تک موجود رہے اور آخری دعا میں شریک بھی ہوئے —— اس کے بعد تعزیت کے لئے بھائی جان کے گھر تو تین روز تک تانتا بندھا رہا' یہاں قرآن اکیڈمی میں بھی بہت سے احباب تشریف لائے —— مزید برآں فون' ای میل' اور خطوط کے ذریعے بے شمار حضرات نے اندرون ملک اور بیرون ملک سے تعزیت کے پیغامات ارسال کئے۔ ایسے سب حضرات کو فرداً فرداً جواب دینا چونکہ بہت وقت طلب ہے' لہٰذا بھائی جان کے فرزندان نے تو اخباری اشتہار کو اظہار تشکر کا ذریعہ بنایا —— مجھ سے تعزیت کرنے والوں کی اکثریت چونکہ ''تنظیم اسلامی'' کے حلقے سے وابستہ حضرات پر مشتمل ہے' لہٰذا میں ''ندائے خلافت'' ہی کو جوابی شکریے کا ذریعہ بنا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو ہمارے دکھ میں شرکت کی جزا عطا فرمائے۔ آمین

''ندائے خلافت'' کے گزشتہ شمارے میں بھائی جان مرحوم کی جو خودنوشت سوانح حیات کی قسط شائع ہوئی تھی' اس میں متعدد غلطیاں ہیں جو اصلاح طلب ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ غلطیاں ترجمے کے دوران در آئی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھائی جان کی یادداشت ہی نے ٹھوکر کھائی ہو۔ جس کا نمایاں سبب یہ ہے کہ بھائی جان پندرہ برس کی عمر میں میٹرک پاس کرنے کے بعد سے کبھی والدین کے ساتھ نہیں رہے —— بلکہ پہلے چھ سال بسلسلۂ تعلیم لاہور میں مقیم رہے —— اور پھر ان کا بسلسلۂ ملازمت اور کاروبار پورے ملک میں دور دراز مقامات پر قیام رہا۔ میں چونکہ دورانِ تعلیم بھی قریب ہی رہا' یعنی زیادہ سے زیادہ سو میل کی حد تک جس کی بناء پر اکثر اتواروں کو گھر جانا ہو جاتا تھا —— پھر 1954ء میں ایم بی بی ایس سے فراغت کے بعد سے 1965ء میں والد مرحوم کے انتقال تک پورے گیارہ برس تو ان کی علالت کے باعث ان کے ساتھ ''چپکا'' رہا' لہٰذا مجھے اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں زیادہ اور صحیح تر معلومات حاصل ہیں۔

بھائی جان کا سن پیدائش 1927ء نہیں بلکہ 1926ء تھا' اور تاریخ پیدائش 26 نومبر۔ ان کے ساتھ ہمارے جو ''کزن'' نصیر احمد صاحب ڈبی بازار والے کمرے (بلکہ کوٹھڑی) میں مقیم رہے' وہ ہمارے خالہ زاد نہیں بلکہ پھوپھی زاد تھے —— اسی طرح ہمارے پردادا کا نام نور محمد نہیں' حافظ نور اللہ تھا' اور وہ سرکاری ملازم نہیں بلکہ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی) کے قصبہ حسین پور کے ''رئیس'' تھے۔ انہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی (یا غدر اور بغاوت؟) میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا لیکن انگریز ڈپٹی کمشنر نے جو زخمی بھی تھا' جب ان سے پناہ طلب کی تو انہوں نے اردگرد کے حالات کے پیش نظر معذرت کر لی تھی۔ اس پر وہ جاتے جاتے اپنے خون سے کچھ عبارت حویلی کی بیرونی دیوار پر لکھ گیا —— یہ حویلی جو چھوٹے سائز کی پکی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی' اتنی وسیع وعریض تھی کہ اس کے صحن میں پوری انگریز رجمنٹ خیمہ زن ہو گئی تھی —— میں جب 1990ء میں بھارت کے سفر کے دوران اس حویلی کی زیارت کے لئے دہلی سے ایک ٹیکسی کرائے پر لے کر حسین پور گیا تو پہلے تو میں ہکا بکا رہ گیا کہ وہاں کسی حویلی کا نام ونشان نہ تھا —— لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ٹیکسی والا ہمیں حسین پور کی بجائے حسن پور لے آیا تھا۔ چنانچہ پھر حسین پور جانا ہوا جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا اور وہاں اس حویلی کی زیارت ہوئی جو وہاں پکی حویلی کے نام سے مشہور ہے —— بہر حال جب جہاد آزادی ناکام ہو گیا اور امن وامان بحال ہوا اور ''مجرموں'' کی تحقیق وتفتیش شروع ہوئی تو حافظ نور اللہ صاحب کا معاملہ بھی سامنے آ گیا' جس پر ان کی پوری جائداد ضبط کر لی گئی —— تب حافظ صاحب نے حسین پور سے نقل مکانی کر کے ضلع حصار میں سکونت اختیار کر لی جو اس وقت پنجاب میں شامل تھا اور اب بھارت کی ریاست ہریانہ اسٹیٹ میں شامل ہے اور اب حافظ صاحب مرحوم کو ذریعہ معاش کے لئے مجبوراً سرکاری ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ چنانچہ ضلع حصار کے قصبہ جاکھودھیڑا میں ضلعدار تعینات ہوئے۔ یہ قصبہ حصار اور سرسہ کے مابین ریلوے لائن پر حصار کے بعد پہلے اسٹیشن آدم پور کے بعد دوسرا اسٹیشن ہے —— (اس کے بعد کا اسٹیشن بھٹو ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ وہاں سے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا خاندان دریائے گھگھر کے خشک ہو کر صرف ایک برساتی نالے کی شکل اختیار کرنے کے باعث نقل مکانی کر کے سندھ میں آباد ہوا تھا۔ واللہ اعلم!)

الٰہی! کائنات کیوں اداس ہے

قاضی عبدالقادر

اوران کی فائل بند کردی گئی اور یوں کیس کو سردخانہ کی نذر کردیا گیا——!

یہ واقعہ جس کو بیان کرتے ہوئے میرا قلم کانپ رہا ہے آج سے کوئی چھ ماہ قبل کا ہے—— آپ میں اگر سننے کی تاب ہے تو آپ بھی سن لیں۔

ہاں وہ شخص—— نام اس کا غازی خان جاکھرانی تھا۔ جیکب آباد سے تعلق تھا اور جامعہ ملیہ ڈگری کالج کراچی میں پروفیسر تھا—— اپنے علم کے خزانہ کو نہایت ذوق وشوق سے نئی نسل کو منتقل کرنے کا فریضہ انجام دے رہا تھا—— اس کی صرف بیوی تھی کوئی اولاد نہ تھی—— ایک صاف ستھرے کرایہ کے مکان میں میاں بیوی ہنسی خوشی آسودہ زندگی گزار رہے تھے—— کہ اس کا ریٹائرمنٹ کا وقت آ گیا اور 2000ء میں وہ ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوگیا—— میاں بیوی اچھے خواب دیکھ رہے تھے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد معقول رقم یک مشت ملے گی جس سے وہ اپنا ذاتی مکان بنائیں گے۔ پنشن کی رقم ان کے گزراوقات کے لئے بہت کافی ہوگی—— چنانچہ پروفیسر صاحب سرکاری دفتر گئے۔ کاغذات کی خانہ پری میں ہی ہفتوں لگ گئے اور پھر وہاں پر روزانہ جانے کا ایک سلسلہ لامتناہی شروع ہوگیا—— کرایہ کے مکان میں کب تک رہتے' اسے خیرباد کہا۔ گلشن اکبر ملیر میں 80 مربع گز (کوئی تین مرلہ) کا ایک چھوٹا سا پلاٹ لے رکھا تھا جو پیسہ پاس تھا اس سے پلاٹ کی چاردیواری اور بیرونی دروازہ بنوایا۔ مکان خستہ حال اور نامکمل تھا جسے مکان کہا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ صرف آدھے حصہ پر سیمنٹ کی چادروں کی چھت تھی جبکہ بجلی اور گیس کا کوئی کنکشن نہ تھا۔ بغیر بیت الخلاء اور باورچی خانہ کے ان کا گھر عجیب سا تھا—— اصطبل سے بدتر۔ رفع حاجت کے لئے اینٹوں کا استعمال کیا جاتا تھا—— ایک طرف اینٹیں رکھ کر چولہا بنالیا گیا تھا—— اب پروفیسر کا کام یہ تھا کہ صبح گھر سے نکلتے سرکاری دفتروں کی خاک چھان کر بعد دوپہر گھر واپس لوٹتے—— وہ چکر لگا لگا کر تھک گئے لیکن بے سود کہ فائل بغیر کرنسی نوٹوں کے پہیوں کے ایک میز سے دوسری میز تک نہیں سرکتی تھی۔ وہ پیسہ دیں تو کہاں سے—— آپ یقین مانیں کہ تین سال—— ہاں تین سال۔ اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئے کہ اب تو سرکاری دفاتر جانے کے لئے بسوں کے کرایہ تک کے لئے پیسہ نہ رہا۔ بقول شاعر حال یہ تھا کہ۔

صحرا میں میرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
جو پھوٹ کے رویا تو میرے پاؤں کا چھالا

فاقے شروع ہوگئے۔ آدمی غیرت مند تھا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اس تین سال کے عرصہ نے میاں بیوی دونوں کو بیمار کردیا۔ جسمانی اور ذہنی دونوں طرح سے۔ بیوی پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مفلوج ہوگئی—— جب کہ وہ ناک کے کینسر میں مبتلا ہوگئے۔ ہر وقت ناک پر پٹی باندھے رکھتے۔ گھر سے باہر جاتے تو باہر سے تالا لگا کر جاتے—— آخر جب کچھ پاس نہ رہا اور نہ سرکاری دفتر سے ملنے کی امید رہی تو پروفیسر گھر بیٹھ رہے—— اب فاقے پر فاقے ہونے شروع ہوگئے اور پھر ایک دن—— ہاں ایک دن پروفیسر نڈھال ہوکر گر پڑے اور جان' جان آفریں کے سپرد کردی—— روح نے پائی تن سے رہائی قید سے قیدی چھوٹ گیا—— پروفیسر نے تو عدم کی راہ لی مگر گھر میں ابھی تو ایک جان باقی تھی—— ذرا تصور تو کیجئے کہ شوہر کی لاش سامنے پڑی ہے تو اس مفلوج' ناتواں' فاقہ زدہ' غم سے نڈھال بیوی پر کیا گزر رہی ہوگی۔ آخر وہ کب تک جیتی اور کس کے لئے جیتی—— رات کو وہ بھی اپنے شوہر کے پیچھے پیچھے چل دی—— لاشوں سے تعفن جب زیادہ بڑھا تو پڑوسیوں کو ''ہوش'' آیا۔ پولیس کو خبر کی گئی۔ دروازہ توڑا تو اتوار 7 دسمبر 2003ء کو دونوں کی پندرہ روزہ پرانی مسخ شدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ دونوں کے چہرے بری طرح مسخ تھے اور سر اور جسم پر کیڑے رینگ رہے تھے—— دیکھئے تو سہی اہلیہ کا سر اپنے شوہر کے قدموں پر رکھا ہوا تھا اور پیر زمین پر لٹکے ہوئے تھے۔ آخر وقت تک شوہر سے وفاداری نبھائی اور اس کی قدم بوسی پر قائم رہی۔ ہائے کتنا دردناک اور المناک منظر تھا یہ......!

جان دے ڈالی جگر نے آج کوئے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اور۔

یار کے پائے ناز پر ذوق جبیں جھکا بھی دی
یہ ہے نماز عاشقی اس میں ادا قضا نہ دیکھ

اب ان کو بھوک پیاس' غم و یاس' پنشن اور بقایا جات کے لئے سرکاری دفاتر کے چکروں وغیرہ ہر چیز سے پیچھا چھوٹ گیا—— کیا اس ''بدقسمت'' جوڑے کا فرشتوں نے استقبال نہ کیا ہوگا——!!

سنا ہے کہ بعد میں جیکب آباد سے ان کے عزیز و اقرباء آئے اور انہوں نے میتوں کو جیکب آباد لے جا کر دفن کیا۔ لیکن جب تک وہ کسمپرسی کی حالت میں زندہ رہے کسی نے نہ پوچھا۔

زندگی بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اور پھر وہی ہوا جو ایسے موقع پر ہماری سرکار بہادر کیا کرتی ہے۔ گورنر سندھ نے پروفیسر جاکھرانی کی موت کی تحقیقات کی ہدایت چیف سیکرٹری سندھ کو دی اور کہا کہ اس امر کی بھی تحقیقات کی جائے کہ انہیں پنشن اور دیگر واجبات کی وصولی میں رکاوٹ بننے والے ادارے اور متعلقہ افراد کون تھے اور تحقیقات کے نتیجہ میں ملوث پائے جانے والے افراد کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ تاہم 5 ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود نہ تو تحقیقاتی رپورٹ سامنے آئی اور نہ ہی ذمہ داروں کا تعین ہوسکا—— اور آخر میں جیسا کہ اس ملک خداداد میں معمول ہے روزنامہ ''جنگ'' کراچی مورخہ 22 مئی 2004ء کی خبر کے مطابق پروفیسر اور ان کی اہلیہ کی المناک موت کی تحقیقات کو سردخانہ کی نذر کردیا گیا۔ اور فائل داخل دفتر کردی گئی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون!

1۔ کیا ہمارا معاشرہ اب اتنا بے حس ہوچکا ہے کہ اسے اس کا بالکل احساس نہیں کہ اس کے اردگرد لوگوں کا کیا حال ہے اور ان پر کیا بیت رہی ہے۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' کی طرح ''سب سے پہلے اپنا گھر'' ہی نہیں بلکہ ''اول و آخر اپنا گھر'' عمل قرار پایا ہے۔ ہر شخص دنیا و مافیہا سے بے خبر بس اپنی کھال میں مست ہے——!

2۔ ہمارے منبر ومحراب سے تو حالات حاضرہ اور سیاسی مسائل پر تقاریر ہوتی ہیں یا مسلکی مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن معاشرہ کے لوگوں پر اور لوگوں کے معاشرہ پر کیا حقوق وفرائض ہیں' یہ بہت ہی کم بتایا جاتا ہے۔ خصوصاً پڑوسیوں کے حقوق سے تو لوگ بالکل بے خبر رہتے ہیں۔

حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھا لے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے۔'' یہاں تو ''پیٹ بھرے'' پڑوسیوں کو کیا خبر کہ ان کا پڑوسی کب سے بھوکا ہے اور فاقہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہے ۔۔۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر نے محلّہ والوں سے کوئی راہ و رسم نہیں رکھی ہوگی۔ مانا کہ وہ سوشل نہیں ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ اگر محلّہ میں کسی کے گھر جائیں تو اسے اپنے گھر بھی بلانا ہوگا اور ان کے گھر کی جو حالت تھی اور جس کسمپرسی میں وہ رہ رہے تھے' وہ عیاں ہے۔

3۔ بیوروکریسی اور سرکاری دفتروں سے اب شکایت کا سوال کہاں ۔۔۔ یہاں تو سب کے سب (الا ماشاء اللہ) کرپٹ ہیں۔ بغیر پیسے خرچ کئے کوئی کام ہونے کا سوال ہی نہیں ۔۔۔ اللہ کا اگر انہیں خوف نہیں' آخرت کا احساس نہیں تو کم از کم وہ یہ تو سوچیں کہ آج وہ کس کے ریٹائرمنٹ کے بقایاجات اور پنشن کے کاغذات روکتے ہیں کہ رشوت نہیں مل رہی تو کل ان کو بھی تو ریٹائر ہونا ہے۔ ان کے ساتھ بھی تو یہی کچھ پیش آ سکتا ہے ۔۔۔!

4۔ ہماری سیاسی جماعتیں الیکشن کے موقع پر ووٹ لینے گھر گھر جاتی ہیں۔ مگر پھر کسی کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ پھر کوئی کسی کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا گویا اگلے الیکشن تک ''اب یہاں کوئی نہیں آئے گا''۔

5۔ تبلیغی جماعتیں محلّہ محلّہ' گلی گلی ہر ہفتہ گشت کرتی ہیں۔ ہر دروازہ پر دستک دے کر کلمہ سنتی اور سناتی ہیں۔ کیا انہیں کبھی احساس ہوا کہ اندر جو لوگ ہیں وہ کس حال میں ہیں۔ کون درد سے لوٹ رہا ہے اور کون فاقہ سے تڑپ رہا ہے۔

6۔ یہاں پر ''الخدمت'' ہے ''خدمتِ خلق فاؤنڈیشن'' ہے اور بھی خدمتِ خلق کے ادارے ہیں۔ این جی اوز ہیں' جنہیں ملک و بیرونِ ملک سے کروڑوں روپے امداد ملتی ہے۔ کیا ان کی نظر ان غرباء و مساکین کی طرف نہیں جاتی؟

7۔ ملک میں حال یہ ہے کہ امیر و غریب کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہو چکی ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ خطِ غربت کے بہت نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ غریبوں کے بچوں کو وہ خوراک میسر نہیں جو امیروں کے کتوں کو حاصل ہے۔ کتنے ہی گھر ہیں جہاں پابندی سے دونوں وقت چولہے نہیں جل پاتے۔ غربت نے رہے سہے اخلاق کو بھی تباہ کر دیا ہے۔

حالت تو یہ ہے کہ پیٹ کا ایندھن بھرنے کے لئے بہت سی عفت و عزت مآب خواتین اب عزت و عفت مآب نہیں رہیں۔ معاشرہ تیزی سے بداخلاقی' بدکرداری' چوری' ڈکیتی اور سنگین جرائم کی طرف گامزن ہیں۔ لوگ بھوک سے مجبور ہو کر خودکشیاں کر رہے ہیں۔ روز خبریں آتی ہیں کہ ماں باپ نے بھوک سے مجبور کر اپنے تمام بچوں کے ساتھ خودکشی کر لی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ یہاں کبھی مدرڈے منایا جاتا ہے' کبھی فادرڈے' کبھی بچوں کا دن منایا جاتا ہے (مغرب کی نقالی میں) فور یا فائیو اسٹار ہوٹلوں میں سیمینار ہوتے ہیں۔ لوگ کھا پی کر چل دیتے ہیں۔ کیسی مادر' کہاں کے فادر اور کدھر کے بچے۔ امیروں کے یہ چونچلے ہیں۔ کیا کبھی غریبوں کا دن منانے کی بھی کسی کو توفیق ہوئی جو واقعی غریبوں کا دن ہو اور اس کا واقعی فائدہ غریبوں کو پہنچے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے گا تو اس کی بھی ان سے پرسش ہوگی ۔۔۔ یہاں حالت یہ ہے کہ کتوں سے زیادہ بھوکے انسان مر رہے ہیں!

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر صحیح معنی میں عمل نہیں ہو رہا اور اس عمل نہ ہونے کے مرتکب کوئی غیر نہیں' خود ہمارے دینی رہنما اور دینی جماعتیں ہیں۔ زکوٰۃ کا نظام اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ پیسہ امیروں سے غریبوں کی طرف منتقل ہو۔ اس کو فرض قرار دیا گیا تاکہ معاشی تفاوت ختم اگر نہ ہو سکے تو اس میں خاصی کمی آ جائے۔

زکوٰۃ کے مصارف کی مدات آٹھ ہیں۔ ان میں پہلا اور دوسرا مصرف ''فقراء و مساکین'' ہیں۔ ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے اوّل نمبر پر رکھا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کا اوّلین مقصد اسلامی معاشرہ میں فقر و فاقہ کو ختم کرنا اور غریبی کو دور کرنا ہے چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور فصحائے عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے بیان کا آغاز اہم ترین بات سے کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کا اوّل نمبر پر بیان کردہ مصرف زکوٰۃ کا اوّلین مصرف قرار پاتا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے بعض احادیث میں صرف اسی مصرف کے ذکر پہ اکتفا کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب آپؐ نے حضرت معاذ ؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا ''لوگوں کو بتلاؤ کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر خرچ کی جائے گی۔''

لیکن ہمارے معاشرے میں عملاً یہ ہو رہا ہے کہ اوّل و دوم نمبر پر مصرف کی جگہ ساتویں نمبر پر مصرف ''فی سبیل اللہ'' (اللہ کی راہ میں) کو بہت زیادہ اہمیت دے دی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا کینوس وسیع سے وسیع تر کیا جاتا رہا ہے۔ اس وجہ سے غرباء و مساکین کی جو امداد کی جانی چاہئے تھی وہ نہیں ہو پا رہی اور معاشرہ کی بدحالی روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔

آخری بات یہ کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ بستیوں میں پھر کر زکوٰۃ کے اوّلین حقدار غرباء و مساکین کو تلاش کیا جائے' ان کے ٹھنڈے چولہے جلائے جائیں' ان کی آہ و بکا کو سنا جائے' ان کے زخموں پر مرہم رکھا جائے' ان کے بھوک سے بلکتے بچوں کے حلق میں غذا ٹپکائی جائے' ان کے بیماروں کو دوا و علاج فراہم کیا جائے ۔۔۔ یہ ہیں کام ہماری کے ۔۔۔ اور

گر یہ نہیں تو بابا! پھر سب کہانیاں ہیں!

گوشۂ خواتین

محبتِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

تحریر صائمہ سلیم

محبتِ رسول ﷺ ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ ایک مسلمان اپنی جان' مال اور اولاد سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ تکمیلِ ایمان کیلئے یہ بنیادی شرط ہے۔ زبان سے محبتِ رسول کا دعویٰ کرنا اور کام سنتِ رسولؐ کے خلاف کرنا یہ کسی بھی شخص کے ایمان کے کھوکھلے پن کا واضح ثبوت ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ کی دھرتی پر اللہ کے نظام کے نفاذ کیلئے جدوجہد کی جائے اور اس مقصد کے حصول کیلئے اگر اپنی جان' مال اور اولاد کی قربانی بھی دینی پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ یہی محبتِ رسول ہی کسی شخص کے ایمان کی تکمیل کا ثبوت ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کیلئے اتباعِ رسول ﷺ لازمی شرط ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ کے بغیر محبتِ رسول ناممکن ہے۔ یہی محبت ہمارے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کی نوید بھی ہے۔ ایسی پاکیزہ محبت ہی امتِ مسلمہ کو مسائل کے گرداب سے نکال سکتی ہے۔

نوجوان مغربی تہذیب کو ترک کر کے اپنے سینوں کو محبتِ رسول ﷺ سے سرشار کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کے نظام کے نفاذ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ دنیا میں نوجوان ہی وہ واحد قوت ہیں جو حالات کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں نوجوانوں نے اس میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے نوجوانوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کردار ادا کرنا ہوگا۔ مغربی تہذیب جہنم کی طرف راہنمائی کرتی ہے جبکہ اطاعتِ رسولؐ جنت کا راستہ ہے۔ دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہے۔ عقلمند وہی ہے جو آخرت میں کامیابی کے لئے جدوجہد کرے اور آخرت میں کامیابی اسی صورت یقینی ہے جب ہم حضورؐ کے طریقوں کی پیروی کریں گے۔

پڑھتا جا' شرماتا جا

جاوید چوہدری

اگر آپ موٹر وے کے ذریعے اسلام آباد سے لاہور جائیں تو راستے میں بلکسر انٹرچینج آتا ہے آپ اس انٹرچینج سے راولپنڈی روڈ پر آ جائیں۔ اس روڈ پر چکوال سے ذرا پہلے ایک پسماندہ سا گاؤں ''گاہ'' آتا ہے۔ اس گاؤں میں دو سو گھر اور ایک پرائمری سکول ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے اس گاؤں میں سکھوں کا ایک خاندان آباد تھا' خاندان کا سربراہ گورمکھ سنگھ آڑھتی تھا' یہ لوگ تنگی ترشی میں گزارہ کرتے تھے۔

1932ء میں گورمکھ کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا' سب لوگ اسے ''مونا'' کہتے تھے۔ اس بچے نے چوتھی جماعت تک اسی گاؤں میں تعلیم حاصل کی' بعدازاں یہ لوگ پہلے چکوال منتقل ہوئے اور برصغیر کی تقسیم کے بعد۔ بھارت جانے کے بعد بھی ان لوگوں کے حالات ویسے ہی رہے اور مونا اور اس کے بھائی سرجیت سنگھ دلجیت سنگھ اور بہنوں نرما کور اور گیان کور کی زندگی بھی سر ڈھانپتے اور کبھی پاؤں چھپاتے گزری' مونا اپنے تمام بہن بھائیوں میں ذہین تھا' اس نے پڑھائی جاری رکھی' اس نے بھارت کی پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا' وظیفے پر آکسفورڈ گیا' وہاں سے کیمبرج یونیورسٹی اور پھر وہاں سے یونیورسٹی کا سب سے بڑا ایوارڈ ''ایڈم سمتھ'' پرائز حاصل کیا۔

مونا واپس بھارت آیا تو اس نے پنجاب یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے کیریئر کا آغاز کیا۔ وہ نو برس لیکچرر رہا اس کے بعد وہ یو این او کی کانفرنس فار ٹریڈ اینڈ ڈویلپمنٹ میں چلا گیا۔ وہاں سے واپس آیا تو دہلی سکول آف اکنامکس کا پروفیسر ہو گیا' پروفیسری کرتے کرتے وہ حکومت کا چیف اکنامک ایڈوائزر ہو گیا' پھر فنانس سیکرٹری بن گیا اور پھر بھارت کے ریزرو بینک کا گورنر' ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن اور چیئرمین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن' پھر اس کا سیاسی دور شروع ہوا۔

1991ء میں نرسیما راؤ کی حکومت میں وفاقی وزیر خزانہ بن گیا۔ ان پانچ برسوں میں اس نے کمال کر دیا' اس نے بھارت کے مالیاتی ذخائر کو ایک ارب سے پچاس ارب ڈالر تک پہنچا دیا' اس نے بھارت کو دنیا بھر کے سرمایہ کاروں کے لئے قابل قبول بنا دیا۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں آئیں اور انہوں نے مونا کی شرائط پر بھارت میں سرمایہ کاری شروع کر دی' فیکٹریاں لگیں اور ان کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں کو روزگار ملا' 1996ء میں جب حکومت ختم ہوئی تو بھارت جیسا پسماندہ ملک ترقی کی شاہراہ پر کھڑا تھا۔ مونا کی معاشی پالیسیاں کتنی پریکٹیکل اور کتنی اچھی تھیں اس کا اندازہ آپ صرف اس حقیقت سے لگا لیجئے کہ 1996ء سے 2004ء تک واجپائی حکومت بھی ان پر عمل کرتی رہی۔

گاہ کا یہ مونا آج بھارت کا وزیراعظم ہے اور اس کا پورا نام من موہن سنگھ ہے' وہ من موہن جس نے گاہ جیسے پسماندہ گاؤں میں آنکھ کھولی' جس نے پرائمری سکول گاہ کی تنگی زمین پر تعلیم شروع کی' جس نے بڑے ماسٹر (لیکچرر) کی حیثیت سے کیریئر کا آغاز کیا اور جس نے تیرہ سال پہلے بھارت کا مقدر بدل دیا لیکن کمال دیکھئے وہ من موہن سنگھ عرف مونا آج بھی کرائے کے مکان میں رہتا ہے' اس کے پاس کپڑوں کے صرف تین جوڑے ہیں' وہ ہمیشہ کھدر کا لباس پہنتا اور سادہ خوراک کھاتا ہے' اس کی بیوی گرچرن کور نے فرسٹ لیڈی بنتے ہی بیان دیا ''میں وزیراعظم سے درخواست کروں گی کہ وہ کوکنگ آئل اور جلانے کی گیس سستی کریں۔'' رپورٹروں نے وجہ پوچھی فرسٹ لیڈی بولی ''میں گھر چلاتی ہوں مجھے پتہ ہے کہ کوکنگ آئل کتنا مہنگا ہے اور اس کی وجہ سے گھریلو خواتین کو کتنی مشکلات پیش آتی ہیں'' رپورٹروں نے پوچھا ''اور گیس'' فرسٹ لیڈی نے جواب دیا۔ ''گیس کا سلنڈر 240 روپے میں ملتا ہے جو میرے جیسی گھریلو خاتون کے ساتھ ظلم ہے۔''

یہ ہے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے وزیراعظم کا ماضی اور حال' اس کی گھریلو اور ذاتی زندگی' اس کی زمین' جائیداد اور اثاثے۔ کمال دیکھئے ایک غریب آڑھتی کا بیٹا' ایک لیکچرر' ایک مڈل کلاس شہری آج ایک ارب آبادی کا وزیراعظم ہے' اس ملک کا وزیراعظم جس کے مالیاتی ذخائر 118 ارب ڈالر ہیں' جس کا گروتھ ریٹ 8 فیصد ہے اور جو ہر سال 60 ارب ڈالر کی مصنوعات برآمد کرتا ہے۔

ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے' جس پاکستان میں ہم رہتے ہیں کیا اس ملک میں کسی آڑھتی کا بیٹا' کوئی لیکچرر اور کوئی پروفیسر وزیراعظم بن سکتا ہے؟ کیا اس ملک میں کرائے کے مکان میں رہنے والا کوئی شخص اقتدار تک پہنچ سکتا ہے؟ کیا اس ملک کی وزارت عظمیٰ پر متمکن کسی شخص کی وارڈ روب میں صرف تین جوڑے کپڑے اور ایک سینڈل ہو سکتا ہے اور کیا اس ملک کی فرسٹ لیڈی کو معلوم ہے ملک میں کوکنگ آئل کس بھاؤ بک رہا ہے' گیس کا سلنڈر کتنے میں ملتا ہے اور ڈسپرین کی گولی کا کیا ریٹ ہے؟ نہیں یقین کیجئے نہیں۔ لہٰذا پھر سوچئے کہ ہم لوگ ترقی کر سکتے ہیں؟

بھائیو! بھارت کے ان الیکشنوں نے تو ہمیں اپنی نظروں میں گرا دیا۔ پہلے پرامن الیکشن نے پریشان کر دیا' پھر واجپائی کے استعفاء نے چونکا دیا' پھر سونیا گاندھی نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ ٹھکرا دیا اور اب آڑھتی کا بیٹا وزیراعظم بن گیا یا اللہ ہم کہاں جائیں' چلو کا وہ پانی کہاں ہے جس میں لوگ ڈوب مرا کرتے تھے۔

من موہن سنگھ اور مجھ میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے پنجابی زبان۔ پنجابی کا ایک محاورہ ہے انسان اپنی سو ناکامیاں برداشت کر لیتا ہے لیکن دشمن کی ایک کامیابی ہضم نہیں کر سکتا اور بھارت تو ہمارا وہ دشمن ہے جو کامیابیوں کی سنچری کر چکا ہے اور ہم اس کے باوجود زندہ ہیں' ہم اس درجے پر پہنچ چکے ہیں جہاں اس کی زندگی کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے' زندہ رہیں خواہ اس کے لئے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!
آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!

ضرورت رشتہ

☆ رفیق تنظیم کی نیک سیرت اور خوبرو بیٹی' عمر 20 برس' ایم اے اکنامکس کی طالبہ کے لئے تعلیم یافتہ برسر روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ جو دینی مزاج کا حامل ہو۔ فکر تنظیم سے وابستہ لوگ قابل ترجیح ہوں گے۔

رابطہ تحریری طور پر درج ذیل پتہ پر کریں۔

معرفت: حافظ خالد محمود خضر'

مدیر شعبہ مطبوعات قرآن اکیڈمی

36-k' ماڈل ٹاؤن' لاہور

انسانی زندگی پر حلال و حرام کے اثرات

مختار احمد

دین اسلام میں اللہ نے انسان کے لئے کچھ چیزوں اور معاملات کو جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ ان کو استعمال کرنے اور انہی پر اکتفا کرنے کی ترغیب دی ہے اور بدلے میں دنیا اور آخرت میں کامیابی اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ جبکہ کچھ چیزوں اور معاملات کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ ان سے رکنے اور باز رہنے کی پرزور تاکید کی ہے اور باز نہ رہنے کی صورت میں دنیا و آخرت میں خسارے اور عذابِ الیم کی وعید سنائی ہے۔

قرآن حکیم کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوامرو نواہی کا ایک ایسا وسیع سلسلہ ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ سلسلہ فرد سے لے کر انسان کی پوری اجتماعیت کے معاملات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ فرمانِ رسولؐ میں اسے اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کی مثال کھونٹے پر بندھے ہوئے گھوڑے کی سی ہے۔ وہ رسے کی لمبائی کے برابر دائرے میں چراگاہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ بات کو سمجھنے کے لئے زندگی کے چند موٹے موٹے گوشوں کو سامنے رکھئے۔ مثلاً معاش' معاشرت' سیاست اور معاملات۔ ان سب میں انسان کے لئے شریعت نے دو دروازے کھلے رکھے ہیں' جن کے متعلق حلال اور حرام کے ذیلی عنوانات کے تحت اشارہ کیا گیا ہے۔

حفاظت کرتا ہے' وہ اس شخص سے مختلف ہے جس نے ان امور میں بالعکس طرزِ عمل اپنا رکھا ہے۔ گویا ایک اخلاق کا نمونہ ہے جبکہ دوسرا بداخلاقی کی تصویر۔

اصل میں یہی معاملات انسانی اخلاق کے سنوارنے یا بگاڑنے میں رول ادا کرتے ہیں۔ اخلاق اچھے ہوں یا برے انسانی ذات ہی سے پھوٹتے ہیں۔ یہ کہیں خارج سے خرید کر دوا کی گولی یا ٹیکے کی صورت میں جسم انسانی میں داخل نہیں کئے جا سکتے۔ ان کی پیداوار ذاتِ انسانی ہے جو ان کے لئے ایک کھیت کی مانند ہے' جس میں اخلاق کی فصل اُگتی ہے۔ اگر اس زمین پر جائز ذرائع آمدن پاکیزہ خوراک' حیا' شرم' دیانت و امانت کے ساتھ ساتھ اطاعت خداوندی کی بارش برستی ہے تو اس کی مٹی پاک رہتی ہے اور اچھے اخلاق جنم لیتے ہیں۔ ورنہ یہی انسانی ڈھانچہ برے اخلاق کا منبع بن جاتا ہے اور پاکیزہ زمین کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور خراب زمین کی پیداوار نہیں نکلتی ہے' مگر ناقص ہی۔ (اعراف: 58)

اخلاق حیاتِ انسانی کا وہ اہم ترین حصہ ہے' جس کے ذریعے معرفت ربانی حاصل ہوتی ہے۔ اہل منطق کے نزدیک وجود ذات باری تعالیٰ کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن ان سے اخلاقی صفات کے وجود کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ دیانت' امانت اور سچائی کی

نفس انسانی میں فجور اور تقویٰ کی پہچان رکھی ہے۔

فجور اور تقویٰ کی فصل اُگنے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان خالق کائنات کے معین کئے ہوئے حلال و حرام کے دائرے میں رہتا ہے یا اس کو توڑ کر خالق کی معرفت سے دور ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے۔ حیات انسانی کا وہ اہم ترین حصہ جہاں سے معرفت ربانی کا دروازہ کھلتا ہو وہ کام خالق حقیقی کے علاوہ بھی کوئی کر سکتا ہے یا کسی اور کے سپرد کیا جا سکتا ہے' جو یہ فیصلہ کرے کہ یہ چیز انسان کے لئے حلال ہے یا حرام ہے؟ صرف وہی ذات جانتی ہے کہ کونسے معاملات انسان کے لئے اس لحاظ سے بہتر ہیں کہ جن کو اختیار کر کے اعلیٰ اخلاق والا انسان جنم لے سکتا ہے' اور کن چیزوں میں پڑ کر انسان انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ سکتا ہے۔ اسی کی دی ہوئی ہدایات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ سودخوری بھی انسان کے لئے اتنی ہی مہلک ہے جتنا کوئی بدترین بدکاری کا کام۔ بدکاری بھی انسانی جسم کو اسی طرح خراب کر دیتی ہے جتنا گلا سڑا گوشت۔ اسی طرح سؤر' شراب اور خنزیر کا گوشت بھی انسانیت کے لئے اتنا ہی مضر ہے جتنا رشوت' چوری اور ڈاکہ۔ غیبت بھی اتنی ہی قابل نفرت ہے جتنا مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ بدنظری بھی اتنی ہی روحانی ظلمت کا سبب بنتی جتنا ناجائز شہوت رانی۔ وغیرہ

اس روشنی میں اگر ہم دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو وہ لوگ جو آزاد جنسی زندگی' سود' شراب اور سود کے جواز پر فلسفیانہ بحث کرتے ہیں' جائز و ناجائز طریقے سے دنیاوی مال و متاع اور لذات کے حصول کو جائز گردانتے ہیں' گناہ اور ثواب کی حکمت کو نہیں مانتے' ان کے لایعنی فلسفہ کی قلعی

معاش میں		کھانے پینے میں		معاشرت میں		سیاست میں	
حلال	حرام	حلال	حرام	حلال	حرام	حلال	حرام
جائز ذرائع آمدنی سے کمائی مزدوری' تجارت زراعت وغیرہم۔	ناجائز ذرائع آمدن سود' رشوت' جوا' سٹہ بازی وغیرہم۔	اللہ کے نام پر ذبح شدہ گائے' بکری' اونٹ' مچھلی' پرندوں کا گوشت اور دوسری غذائی اشیاء۔	غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ حلال جانور' سؤر' شراب' سانپ' درندے اور دوسری غذائی اشیاء۔	جائز نکاح' پردے کا لزوم ادب' احترام۔	بدکاری' تبرج اور مخلوط مجالس' ادب اور احترام کا نہ ہونا۔	حقوق کی ادائیگی' جان و مال کا تحفظ' عدل و انصاف۔	حقوق کا غصب' بدامنی' فساد' ظلم اور ناانصافی' دھونس' دھکہ دھاندلی۔

یہ سب عوامل ذات انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے بناؤ اور بگاڑ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایسا انسان جو اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے' حلال ذرائع سے اپنی روزی کماتا ہے' کھانے میں پاکیزہ چیزیں استعمال کرتا ہے' دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور اپنی عزت و عظمت کی

قوت ہو یا ظلم و بے حیائی ہو ان کے سرچشموں کی نشاندہی ممکن ہے نہ کر سکتے ہو لیکن ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے۔

اگر یہ چیزیں ہیں تو کس نے ان کی پہچان فطرت انسانی میں پیدا کی ہے؟ وہ صرف ایک اللہ' کائنات کا پیدا کرنے والا مدبر ہے' جس نے الھمھا فجورھا و تقوٰھا کے ذریعے

کھل جاتی ہے اور بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔

ربنا ماخلقت ھذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

فکرِ آخرت اور دنیوی زندگی کی حقیقت

محمد طیب سنگھانوی

موجودہ انسانی معاشرے میں انسان مادی خواہشات کی تکمیل میں ہمہ وقت مصروف عمل نظر آتا ہے۔ اس کا ہر قدم دنیوی ترقی کے لئے کوشاں ہے، دماغ لامتناہی حرص و ہوس سے لبالب لبریز ہے۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز، نیکی و بدی کی تمیز اٹھتی جارہی ہے۔ تقویٰ کی تعلیمات اور متقیوں کی حکایات ماضی بعید کا حصہ اور قصہ پارینہ بنتی جارہی ہیں۔ رشوت، سود خوری، غبن، دھوکا دہی، یتیموں اور کمزوروں کا ناحق مال کھانا، رشتے داروں اور دوسرے حقداروں کا حق مارنا، ناپ تول میں کمی وغیرہ ایسی برائیاں ہیں جنہیں اب کسی حد تک برا نہیں جانا جاتا۔ ایسے واقعات اب ہماری روزمرہ زندگی میں بے حد عام ہو چکے ہیں۔ حیاتِ انسانی صرف دنیوی معیار کی کسوٹی پر پرکھے جانے لگی ہے، جس میں آخرت کا دور دور تک کوئی حصہ نہیں ہے۔ حصہ ہو بھی تو کیسے؟ ہمارے پاس تو آخرت کی دائمی و ابدی زندگی سے متعلق غور و فکر کے لئے وقت ہی نہیں ہے، اور جب غور و فکر نہیں کرتے تو ظاہر ہے کہ آخرت کے بارے میں قطعی شعور بھی نہیں ہے۔ دینی تعلیمات اور دینی معلومات کے حصول کا شوق اب معاشرے سے مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم جو تمام انسانیت کے لئے سرچشمہ و رہنمائے ہدایت ہے اور جس کے ذریعے اللہ رب العزت تمام انسانیت سے مخاطب ہوا، اب ہمارے گھروں میں محض خیر و برکت کی نیت سے خوبصورت و دیدہ زیب غلاف میں لپٹا مدتوں سے کسی بلند مقام پر رکھا ہے اور یہی کافی سمجھا جاتا ہے۔

ہم قرآن میں غور و فکر سے محروم رہتے ہیں۔ جب غور و فکر سے محروم رہتے ہیں تو دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جب دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں تو پھر جائز و ناجائز، حلال و حرام، نیکی و بدی کی تمیز رخصت ہو جاتی ہے اور ہر ناجائز کام جائز لگتا ہے۔ حرام مال، حلال معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہر بدی، نیکی کا روپ دھار لیتی ہے۔ معاشرے سے عقل و شعور اٹھ جاتا ہے۔ ابن آدم کو کوئی راہ نہیں سوجھتی اور وہ ایک بند گلی میں دوڑتا چلا جاتا ہے۔ احساس تب ہوتا ہے جب انسان کا آخری وقت سر پر آن پہنچتا ہے۔ جب موت کا فرشتہ بحکم ربی نازل ہوتا ہے اور انسان کو پھر ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں ملتی، تب انسان کہتا ہے کہ ہائے میری شامت، پوری زندگی غفلت میں بیت گئی، ایسے سفر پر چلا جس کی کوئی منزل نہیں، ایسے راستے پر دیوانہ وار دوڑا جو آگے سے بند ملا، یا رب ایک اور موقع عطا فرما دے، بس آخری بار مہلت اور دے دے، اب میں تیرا اور تیرے رسول ﷺ کا فرماں بردار رہوں گا، مکمل فرماں بردار ——— لیکن اب اللہ کی بات پوری ہو چکی ہے اور لمحہ بھر کی مہلت کا بھی سوال نہیں۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے لہٰذا اس کا ہر اصول بے مثال و لازوال ہے۔ اسی لئے دینِ محمدی زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں دین کی خاطر دنیا کو چھوڑ دینا اور دنیا کی خاطر دین کو چھوڑ دینا قطعی مناسب نہیں ہے۔ اسلام دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا حکم دیتا ہے، لیکن دنیا کی ہوس سے منع فرماتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ مشعلِ راہ ہے۔

قرآن میں اللہ عز و جل کا ارشاد پاک ہے کہ "بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔" چاہے وہ معاملاتِ دین ہوں یا دنیا، ہر شعبے میں سرکار دوعالم ﷺ کی حیات مبارکہ ہمارے لئے اعلیٰ ترین مثال اور خوب صورت اور قابل تقلید نمونہ عمل ہے۔ اسی طرح جب ہم انبیائے کرام اور صحابہ کرام کی زندگی کا مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی دنیا سے محبت، رغبت، رجحان، میلان، لگاؤ واجبی اور بڑی قناعت کے ساتھ کم سے کم دنیوی ضروریات کی تکمیل تک ہی تھا۔ اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ "دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔" کیونکہ جب انسان دین میں پورا داخل ہو کر ایک مکمل مسلمان بن جاتا ہے تو دین اور دنیا دونوں کی اصل حقیقت و حیثیت سے واقف ہو جاتا ہے اور ان کے حسب مرتبہ اپنے معاملات استوار کرتا اور اپنے اعمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ تب اس کے دنیوی و دینی معاملات دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ کی حیثیت و درجہ اختیار کر جاتے ہیں اور اس کا ہر جائز عمل باعث اجر و ثواب بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر دنیا اور دنیوی زندگی کی اصل حقیقت اور آخرت کی زندگی کی اصل حقیقت کو واضح الفاظ میں تمام انسانیت کے لئے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کی بنیاد ان حقیقتوں پر استوار کرے "اور کسی قسم کے فریب یا دھوکے میں نہ رہے اور حیات انسانی کی بنیادیں درست سمت میں استوار ہو سکیں۔ ارشاد ربانی ہے: "دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے حق میں یقیناً آخرت ہی کا گھر بہتر ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔" (سورۃ الانعام)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: "زندگی کا اصل گھر تو دار آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے!" (سورۃ العنکبوت)

سورۃ الرعد میں ارشاد ہوا: "یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ نہیں۔"

ایک اور جگہ فرمایا گیا: "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں" (سورۃ الاعلیٰ)

سورۃ الحشر میں دنیا و آخرت کی زندگی کے حوالے سے فرمایا گیا: "اے ایمان والو! اللہ عز و جل سے ڈرو اور ہر متنفس کو ضرور دیکھنا (اور سوچنا) چاہئے کہ اس نے کل (یعنی آخرت) کے لئے کیا سامان کیا ہے اور (تم کو مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ عز و جل سے ڈرتے رہو، یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ عز و جل تمہارے سب اگلے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے (تمہارا کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے)"

خطاب جمعہ - والیم-VI

جس میں 7 مارچ 2003 تا 21 نومبر 2003 تک کے تمام خطابات جمعہ یکجا کر دیے گئے ہیں

مقررین:

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی تنظیم اسلامی)
حافظ عاکف سعید صاحب (امیر تنظیم اسلامی)
عبد الرزاق صاحب (ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان)
رحمت اللہ بٹر صاحب (ناظم دعوت)
شاہد اسلم صاحب (ناظم تربیت)

پیشکش: **شعبہ سمع و بصر**

ملنے کا پتہ: مکتبہ خدام القرآن
قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 03-5869501-42-92 فیکس: 5834000-42-92
www.tanzeem.org e-mail:info@tanzeem.org

شہر بہ شہر قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

شب بسری تنظیم اسلامی ایبٹ آباد

26 جون 2004ء کو تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام شب بسری کا انعقاد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز عصر دفتر تنظیم اسلامی ایبٹ آباد میں ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی ایبٹ آباد جناب ذوالفقار علی صاحب نے افتتاحی کلمات کے بعد گشت کا طریقہ کار طے کیا۔ قریبی رفقاء و احباب سے رابطہ ہوا اور بعد نماز مغرب درس قرآن کی دعوت دی گئی۔ نماز مغرب کے بعد دفتر تنظیم میں عبدالرحمن صاحب نے سورۃ حم السجدہ کی منتخب نصاب میں شامل آیات کا درس دیا۔ 14 رفقاء و احباب اس درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد ندیم اعوان صاحب نے رفقاء کے سامنے ''قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ بعد نماز عشاء مسجد محلہ نظامی میں ذوالفقار علی صاحب نے منتخب نصاب میں سے سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کا درس دیا۔ قریباً 10 رفقاء و احباب نے درس میں شرکت کی۔

27 جون کو نماز فجر کے بعد ناظم تربیت نے تجوید کی کلاس لی۔ بعد ازاں عبدالرحمن صاحب نے فرائض دینی کی پہلی سطح کو بیان فرمایا۔ ناشتہ کے بعد تمام رفقاء نے دینی فرائض کی پہلی سطح کو مختصراً بیان کیا۔ اس کے بعد راقم نے کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے باب اول کا مطالعہ کروایا۔ بعد ازاں ناظم تربیت نے وضو اور نماز کا مذاکرہ کروایا۔ آخر میں رفقاء نے تاثرات بیان کئے اور اگلے پروگرام کے لئے تجاویز دیں۔ دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

اللہ تعالیٰ رفقاء کی یہ سعی و جہد اپنے دربار میں قبول و منظور فرمائے اور اسے ہمارے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین!
(مرتب: اسد قیوم)

شاہین پبلک سکول ''ضلع دیر'' میں ہفتہ وار پروگرام کا اجراء

شاہین پبلک سکول' ضلع دیر کے نمایاں سکولوں میں سے ایک ہے۔ اس ادارے کے پرنسپل جناب احسان اللہ صاحب اور وائس پرنسپل جناب خورشید صاحب' جو کہ حال ہی میں بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہو چکے ہیں۔ ان کے بے حد اصرار پر شاہین پبلک سکول واڑی میں ایک ہفتہ وار پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ ناظم دعوت جناب غلام اللہ خان صاحب ہر منگل کو شاہین پبلک سکول کے اساتذہ کرام اور طلباء کو خطاب کرنے کے لئے واڑی جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابھی تک چار بھرپور پروگرام ہوئے ہیں۔ جن موضوعات پر ابھی تک بات ہوئی ہے ان میں علم کی اقسام اور ان کی اہمیت' علم وحی اور دنیوی تعلیم' ایمان' اخلاق اور اقامت دین۔

یہاں طلباء کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔ لیکچر کا دورانیہ ایک گھنٹہ پر مشتمل ہے۔ لیکچر کے بعد سوالات و جوابات کا سیشن بھی ہوتا ہے جس میں اساتذہ کرام کے ساتھ بڑی کلاسوں کے طلباء بھی حصہ لیتے ہیں۔

پرنسپل صاحب نے اس پروگرام کا انعقاد اس نقطۂ نظر کے ساتھ کیا کہ اگر سکول کا مقصد اسلام کے آفاقی پیغام کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو تو ایسے ادارے کا وجود لایعنی امر بن جاتا ہے۔

مولانا حقانی صاحب کے سکول میں آنے جانے سے ان پر تنظیم کے اغراض و مقاصد مزید کھل گئے ہیں۔ لہٰذا 10 جون کو حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام ماہانہ شب بسری کے موقع پر دونوں حضرات نے بیعت فارم پُر کر کے تنظیم میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔

اللہ تعالیٰ ان کو استقامت فرمائے اور اقامت دین کے عظیم کام کے لئے مزید توفیق و حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین!
(مرتب: تنظیم الحق' ناظم بیت المال' حلقہ سرحد شمالی)

علاقہ گنبار ''ملاکنڈ ایجنسی'' میں دعوتی پروگرام

3 جون کو ناظم دعوت حلقہ سرحد شمالی غلام اللہ خان حقانی صاحب نے علاقہ گنبار ''ملاکنڈ ایجنسی'' میں ایک دعوتی پروگرام میں شرکت کی۔ پروگرام کا انعقاد ایک فلاحی ادارے نے کیا تھا جس کے روح رواں سماجی کارکن محمد سلیم صاحب ہیں۔ ملاکنڈ ایجنسی کے دو منفرد رفقاء فضل ربی شاہ اور شیر محمد بھی اس پروگرام میں راقم کے ہمراہ تھے۔

بعد از نماز عصر فلاحی تنظیم Main Building میں پروگرام شروع ہوا جس میں علاقہ کے معززین' سماجی کارکن' سکول و کالج کے طلباء کثیر تعداد میں شریک تھے۔ چونکہ یہ علاقہ مذہبی لحاظ سے کافی حساس پوائنٹ کی حیثیت رکھتا ہے' لہٰذا شرکاء میں اہلحدیث اور جماعت المسلمین کے افراد بھی شامل تھے۔

مولانا غلام اللہ خان حقانی نے 50 منٹ کے خطاب میں فرائض دینی کے قرآنی تصور کو بڑے واضح اور مدلل انداز میں پیش کیا۔ آپ نے مسلکی اختلافات کی غرض و غایت اور مقام و مرتبے کو واضح کر کے سامعین سے مل جل کر اقامت دین کے لئے کام کرنے کی اپیل کی۔
(راقم الحروف: تنظیم الحق' ناظم مالیات' حلقہ سرحد شمالی)

تنظیم اسلامی ضلع باغ' آزاد کشمیر کے زیر اہتمام
سہ روزہ تربیتی و دعوتی پروگرام

25 تا 27 جون کے اس پروگرام میں ناظم دعوت چوہدری رحمت اللہ بٹر' ناظم حلقہ پنجاب شمالی خالد محمود عباسی اور معاون دعوت محمد اشرف وصی صاحبان کے علاوہ لاہور سے 4' راولپنڈی سے 16' راولاکوٹ سے 5' دھیر کوٹ رنگلہ سے 2 جبکہ باغ کے 14 رفقاء (کل 41 رفقاء) نے شرکت کی۔ تین دن کے دوران کل 23 پروگرام ہوئے جن میں 3 مقامات پر خطاب جمعہ' 12 خطابات اور 7 تربیتی نشستیں منعقد ہوئیں۔

سہ روزہ پروگرام کا آغاز 25 جون بروز جمعہ صبح 8 بجے تربیتی نشست سے ہوا۔ تربیتی نشستیں اکثر و بیشتر محمد اشرف وصی صاحب' معاون شعبۂ دعوت نے Conduct کیں اور نہایت جامعیت اور عام فہم انداز میں موضوعات کو اس طرح سے بیان کیا کہ باتیں سامعین کو اچھی طرح ذہن نشین ہو گئیں۔

چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے مرکزی جامع مسجد حنفی میں اجتماع جمعہ (قریباً 2500 حضرات) سے ''عبادت رب'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

محمد اشرف وصی صاحب نے جامع مسجد عمر اور خالد محمود عباسی صاحب نے باغ سے دس کلومیٹر دور بیرپانی کے مقام پر مرکزی جامع مسجد میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔

اسی روز رحمت اللہ بٹر صاحب کے دو اور پروگرام (مرکزی جامع مسجد اہلحدیث میں درس قرآن اور جامع مسجد حنفی میں خطاب عام) منعقد ہوئے۔

محمد اشرف وصی صاحب نے اسلام نگر بھونٹ بھائیاں کی مسجد میں بعد نماز مغرب تا عشاء سچا مسلمان کون؟ کے موضوع پر خطاب کیا۔

26 جون صبح کے اوقات میں دو تربیتی نشستیں منعقد ہوئیں۔ بعد نماز ظہر دو عمومی پروگرام منعقد ہوئے' ایک میں چوہدری رحمت اللہ بٹر اور دوسرے میں محمد اشرف وصی صاحبان نے خطاب کیا۔

بعد نماز عصر تا مغرب اور پھر مغرب تا عشاء رحمت اللہ بٹر صاحب نے دو مساجد میں عبادت رب کے موضوع پر خطاب کیا۔

اسی روز مغرب تا عشاء محمد اشرف وصی صاحب نے مسجد عمر فاروق میں اجتماع عام سے خطاب کیا۔ 27 جون بعد نماز فجر دو مساجد میں درس قرآن کی نشست ہوئی۔ صبح آٹھ تا ساڑھے بارہ بجے دو تربیتی نشستیں ہوئیں جن میں نظم جماعت کے تقاضے اور منہج انقلاب نبویؐ پر مذاکرہ ہوا۔

رحمت اللہ بٹر صاحب نے جامع مسجد اہلحدیث میں شہادت علی الناس اور اقامت دین کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ یوں پروگرام پر یہ بھرپور سہ روزہ دعوتی پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔
(مرتب: عارف درانی)

terms without considering the associated negative consequences.

Opportunism of some Muslims is evident from the way they exploit these terms for enjoying supports from the modern day Pharaohs. As an example, one may visit www.freemuslims.org and see how these terms are used for maximum advantage and self-promotion. The home page states: "The road to prosperity for Iraq will not be easy. Islamist extremists and terrorist will work hard to destroy Iraq so that they can build an 'Islamic State.' This must never happen."

Of course, there are Muslims, fake or real, who shout *Allaho-Albar* while beheading their captives. However, calling their actions, for example Islamic terrorism, militancy or violence means legitimising such actions for other Muslims. Others have to follow if such acts really are Islamic.

There are people belonging to one or another religion behind all kinds of violence and human rights abuses that we witness today everywhere in the world. However, no where do we witness labels such as Christian, Jewish or Hindu terrorism. In those cases, it is accepted that every form of violence, wherever that is and whatever cloak it wears, is essentially political in nature. This, however, is not the case if the perpetrators are Muslims. Similarly, we are inculcated that religion is not the exploiter; it is itself exploited by internal or external political interests. Yet this principle does not apply to Islam.

Turkish Prime Minister Recep Tauuip Erdogan was right when he snubbed Bernard Lewis for his using the phrase "Islamic terrorism" at a recent Middle East panel of the Academy of Achievement in Chicago. Erdogan said: "Such a definition does not only worry Muslims in the world, but also worries all the believers of all the celestial religions. No religion permits terrorism. 'Islam,' in front of the word 'terror,' ascribes Islam to terror and is unpleasant indeed. You may say a religious [or Muslim] terrorist; however, you cannot say Islamic terrorism."

The bias was evident in the question of Chris Matthews, the panel director, who interjected: "How do we define terror if we do not say terror is Islamic?" Erdogan, underscoring that terror is an outcome, replied: "Terror is not a reason. However, can we endeavor to remove the reasons of terror? The U.S. entry into Baghdad does not solve the problem."[16]

So will not the "war on terrorism" with such sinister constructs as "Islamic terrorism" and "Islamic terrorists."

FA
Arts Group
FA
Gen. Science
I.Com
Banking Comp
ICS
Math + Stat
Computer Science
ICS
Math + Physics
Computer Science
BA
Economics + M
& Other Combinations

داخلے جاری ہیں

زیر اہتمام
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
لاہور بورڈ سے الحاق شدہ (Affiliated)
نگران و سرپرست ڈاکٹر اسرار احمد

□ معیاری نصابی تعلیم
□ پُرسکون باوقار علمی ماحول
□ دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام

موقع پر تشریف لا کر کالج کی عمارت، لائبریری، کمپیوٹر لیب، کالج ہاسٹل اور شاندار ''قرآن آڈیٹوریم'' کا معائنہ بھی کیجئے۔ کالج کا تعارفی بروشر مفت اور پراسپکٹس -/30 روپے میں حاصل کیجئے

بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کی جانب سے گیارہویں جماعت (فرسٹ ایئر) برائے تعلیمی سال 2004ء۔2006ء کا داخلہ شیڈول جاری ہوگیا ہے۔ جس کی تفصیلات یہ ہیں:
(1) عام داخلہ بغیر لیٹ فیس (10 جولائی تا 26 جولائی 2004ء)
(2) لیٹ فیس 20 روپے کے ساتھ داخلہ (27 جولائی تا 10 اگست 2004ء)
(3) لیٹ فیس 300 روپے کے ساتھ داخلہ (11 اگست تا 11 ستمبر 2004ء)
(4) 10 جولائی تا 10 اگست' داخل کئے گئے طلباء/ طالبات کی رجسٹریشن ریٹرن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ مورخہ 9 اکتوبر 2004ء ہے۔
(5) 11 اگست تا 11 ستمبر تک داخل کئے گئے طلبا/ طالبات کی رجسٹریشن ریٹرن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ مورخہ 13 ستمبر 2004ء ہے۔

مزید تفصیلات کیلئے پراسپیکٹس دیکھئے

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
191۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور
TEL : 5860024 FAX: 5834000
E-mail: college@tanzeem.org

ذہین اور مستحق طلباء کے لیے وظائف کی خصوصی سہولت
700 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے 100%،
600 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے 50% اور
550 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے ماہانہ فیس میں 25% رعایت

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

"Islamic terrorism": A Sinister Construct

The mercenary-in-chief of the US "war on terrorism," General Musharraf, used "Muslim" once and "Islamic" twice as adjectives in a single breath during his recent visit to Azerbaijan. He said: "*Islamic* terrorism is holding the *Muslim* world hostage... But the West must also change its attitude to the *Islamic* world."[1]

Soon after receiving Musharraf's words from Baku, the *New York Times* blamed him for not being "convinced or convincing ally in the struggle against radical *Islamic* terrorism."[2] The *Times* aims at milking the sell-out to the last drop, or its editorial right after Musharraf's comments might be a coincidence. But the prevailing inappropriate use of "Muslim" and "Islamic" as adjectives is neither a coincidence nor less than a harsh reality. Even harsher, however, is the way this confusion is being exploited.

There are two main reasons each behind Muslims and Non-Muslims use of the term "Islamic terrorism" and its unbelievable proliferation in recent discourse: On the part of Muslims, the reasons are: a) The lack of homework before using "Islamic" as an adjective, and b) the excessive opportunism of some political and academic personalities, who use rancid phrases based on these adjectives to please some anti-Islam quarters.

On the part of non-Muslims, the reasons for using Islamic as an adjective are: a) the malicious intentions of the American war lords who have been desperately seeking to associate the core message of Islam with terrorism, and b) naïve borrowing of the terms by the rest without taking pain to do a little research before use.

If we go into dictionary definitions, Oxford describes *Islamic* as "of or pertaining to Islam." If terrorism as a phenomenon and methodology pertains to Islam, or if Qur'an guides and trains terrorists, we better appreciate wisdom of General Musharraf and his company who on the one hand declare terrorism "Islamic" . and on the other condemn it and wage a war on it. When terrorism is declared Islamic, there is no use to condemning it or carrying out Wanna kind of operations against those who embrace "Islamic" terrorism. After all, it is Islamic.

Muslims' understanding of Islam is based on the Qur'an, *Hadith*, *Ijma'* and *Qias*. Being Islamic means a person, a community, a state, an ideology, or a practice is not against any of these sources. If you are going against the Qur'an and Sunnah, then your action is un-Islamic. In this sense, "Islamic terrorism" means a phenomenon or a methodology approved by these sources of Islamic knowledge.

The systematic anti-Islam campaigns have deepened the confusion to the extent that in the *Wikipedia.org* and *Longman dictionary* on the web, there is no definition for the word "Islamic" at all. Instead, these sources carry the same propaganda theme and give example of Islamic Jihad as "an Islamic terrorist Organization."

Merriam-Webster considers it sufficient to limit definition of "Islamic" to "*an adjective.*" *Cambridge dictionary* defines "Islamic" as "*Islamic culture/beliefs/art/law.*" The most troublesome aspect is *Dictionary.com* and *Wordnet 2.0 Vocabulary Helper's* defining Islamic as "*of or relating to or supporting Islamism.*"

There are good examples to see how Islam, Islamic and Islamism are mixed up by all these dictionary sources. Those who define Islamic as something supporting "Islamism," define "Islamism" in turn as: "*1. An Islamic revivalist movement, often characterized by moral conservatism, literalism, and the attempt to implement Islamic values in all spheres of life. 2. The religious faith, principles, or cause of Islam.*"[3]

The first explanation mentioned above gives an idea that anything related to "Islamic revivalist movements" is Islamic and thus negative because there is no appreciation for these movements in the Western world at all. The second explanation puts everything — Islamic "faith, principles, or cause of Islam" — in the category of "Islamism," thus leaving nothing positive in Islam.

The same goes with Definitions from the *Online Plain Text English Dictionary* and *Marrian-Webster*, which limits definition of Islamic to "adjective." These sources consider Islamism as "*The faith, doctrines, or religious system of the Mohammedans; Mohammedanism; Islam*" (*Page*: 791). *Infoplease* clearly defines Islamism as "the religion or culture of Islam," which shows that the years of negative connotations and hidden meanings associated with the negative term "Islamism" have now become part and parcel of Islam.

In short, Islam is considered "Islamism" and everything that pertains to Islam is Islamic. As a result, this line of argument turns everything truly Islamic into "Islamist" and makes it part of "Islamism" by default.

That is why web sites like *Wikipedia.org* do not consider it necessary to define Islamic at all. Instead, they feel necessary to educate the public about Islamism and hence defines it as: "A fundamentalist religious ideology which holds that Islam is not only a religion, but a system that also governs the political, economic and social imperatives of the state. A crucial goal of Islamism is to take control of the state in order to implement the Islamist system. Most Islamist rhetoric and literature compares Islam not with other religions, but with other ideologies, such as Nationalism, Communism, Capitalism, Fascism, etc." Please note that these words are taken from an article, "Distinguishing between Islam and Islamism," by Daniel Pipes, a leading anti-Islam campaigner.

Muslims have played a key role in confusing the clear-as-ABC concept of classifying anything as Islamic or Un-Islamic. It is absolutely not surprising to see a Muslim "scholar" using the term "Islamic militancy" while standing before a predominantly Jewish audience at a Jewish Institute.

Such a person would definitely have his priorities for using these terms.[4] The world, however, has the right to understand that by adding the adjective "Islamic" to "militancy" in this case means it is a kind of militancy that is approved by Islam and every Muslim is duty bound to follow it. If it is really approved by Islam, there is no need for a Muslim to grumble about it. If Islam, however, does not approve the militancy under discussion, it absolutely wrong to call it Islamic.

It is understandable to read or hear the American war lords using "Islamic" with every negative concept and act because it helps them create a linkage between the evil and Islam.[5] It means the negative activity or phenomenon is the product of Islam and Islam approves it. What is shocking is the Muslims' borrowing and using the same